نفاذِ شریعت

— اور —

فقہ جعفریہ

تالیف

چوہدری امان اللہ لک ایم اے ایل ایل بی

ایڈووکیٹ گجرات

تاریخ اشاعت پہلا ایڈیشن ـــــ ۱۲ جون سنہ ۱۹۷۹ء

تعداد ـــــ ۲۰۰۰

مؤلف و ناشر ـــــ چوہدری امان اللہ لک

مطبع ـــــ عکاس پرنٹرز پشاور

کاتب ـــــ فیض ہزاروی

ایڈیشن دوم

اگست سنہ ۱۹۷۹ء

عرضِ مُدعا

برصغیر کے مسلمانوں نے ایک آزاد اسلامی مملکت کے قیام کا خواب دیکھا۔ پاکستان اسکی ایک خوبصورت تعبیر بن کر وجود میں آیا۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد ہم نے بحیثیت مجموعی اس کے مقاصد بھلا دیئے۔ اور ربع صدی سے زائد عرصہ تک ہم اس عظیم عہد سے برابر روگردانی ہی کرتے رہے جو ہم نے اس سلسلہ میں اپنے اللہ سے باندھا تھا۔

۱۹۷۷ء میں نظام مصطفےٰ کے نام سے جو تحریک اٹھی اس کا محرک اور مقصد اس جذبہ کا اجتماعی اظہار تھا کہ اس ملک میں اسلامی نظام کے بغیر کوئی دوسرا نظام نہیں چل سکتا۔ چنانچہ مسلمانان پاکستان کی بے پناہ قربانیوں کے بعد ۲ ربیع الاول کو ملک میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا تاریخ ساز اعلان کیا گیا اور اسلامی حدود نافذ کی گئیں جس سے اہل وطن ہی نہیں بلکہ مسلمانانِ عالم کے دلوں میں ایک ولولہ تازہ ابھرنے لگا کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہو رہا ہے لیکن جو عناصر پاکستان کو ایک اسلامی مملکت کے روپ میں ہرگز دیکھنا نہیں چاہتے انہوں نے محسوس کیا کہ اگر اسلامی نظام کا تجربہ اس ملک میں کامیاب ہو گیا تو اسلامی انقلاب پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ چنانچہ اسلام دشمن عناصر نے مسلمانوں کے مختلف معروف فرقوں کے درمیان اختلافات کو ہوا دینے کی مہم شروع کر دی۔ پاکستانی عوام کے متفقہ مطالبہ کے پیش نظر نظام مصطفےٰ کا اعلان تو ہو گیا مگر یہ آوازیں اٹھائی جانے لگیں کہ فقہ جعفریہ کا الگ نفاذ کیا جائے۔ چنانچہ اس اہم موڑ پر قوم کو صحیح رُخ پر قدم اٹھانے کے لئے صدر مملکت جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے مختلف فقہی مکاتب فکر کے نمائندگان پر مشتمل

ایک کمیٹی مقرر فرمائی۔ جو اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے لئے جناب صدر کی مدد کریگی میں اس ملک کا باشعور اور مسلمان شہری ہونے کی حیثیت سے اس ضمن میں قومی فریضہ کی ادائیگی کی غرض سے اپنے خیالات کا اظہار اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ نہایت اہم بلکہ پاکستان کی بقاء کا مسئلہ ہے لہذا موجودہ صورت حالات پر ہر ذی فہم شہری کو غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

اصلاح ہو یا انقلاب دونوں کا مقصد کسی بگڑی ہوئی حالت کا بدلنا ہوتا ہے لیکن دونوں کے محرکات اور طریقہ کار میں بنیادی فرق ہوتا ہے۔ اصلاح کی غرض تو بگڑے ہوئے اجزاء کی جگہ صالح اجزاء کا مہیا کرنا ہوتا ہے۔ لہذا اسکی ابتدا غور و فکر ہوتی ہے۔ ٹھنڈے دل سے سوچ بچار کر کے حالات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ انسان اس بگاڑ کے اسباب پر غور کرتا ہے خرابی کی حدود کی اس کے ازالہ کی تدابیر اختیار کرتا ہے۔ مگر انقلاب کی غرض جیسا کہ اس لفظ کے معنی سے ظاہر ہے صورت حالات کو الٹ دینا ہوتا ہے۔ یہ صورت عموماً وہاں پیدا ہوتی ہے جہاں بگاڑ جزوی نہیں بلکہ ہمہ پہلو ہوتا ہے۔ اور اپنی معراج کو پہنچ جاتا ہے۔ ایسے حالات میں لوگ صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں۔ اور ٹھنڈے دل سے سوچ و بچار کرنے کی جگہ غضب و انتقام کے جذبات ابھرتے ہیں اور انسان بالکل درندوں کے روپ میں ظاہر ہونے لگتے ہیں بیجا ضد اور ہٹ دھرمی کا دور دورہ ہوتا ہے۔ حق کی تلاش کی جگہ باطل کو حق ثابت کرنے کی انتہائی کوشش کی جاتی ہے بلکہ حق و باطل کا امتیاز ہی سرے سے اٹھ جاتا ہے۔

آج اس ملک میں اس نظام کے نفاذ اور اس کے طریقہ کار پر بحث ہو رہی ہے، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ برس کی نبوی زندگی میں عملاً نافذ کر کے دکھا دیا تھا اور انسانی زندگی کا انفرادی ہو یا اجتماعی کا کوئی پہلو تشنہ نہیں رہنے دیا گیا اور اہل پاکستان کے علاوہ تمام دنیا اس نظام کے نفاذ کی طرف نظریں جمائے ہوئے ہے لیکن اس کے نفاذ پذیر

جو نزاعی صورت آج پیدا ہو چکی ہے اگر اسے حقائق کی روشنی میں نہ دیکھا گیا تو یہ نزاع انتہا کی خوفناک صورت اختیار کر سکتا ہے۔

اس خرابی کی اصل جڑ تو یہ نظر آتی ہے کہ ہمارے مذہبی رہنما فروعات میں اس درجہ منہمک ہو گئے ہیں کہ اصول کا دامن ہاتھوں سے چھوٹ چکا ہے بلکہ فروعات نے ہی اصول کی جگہ لے لی ہے اور ان سے ہزار در ہزار فروعات کی فصل اگتی چلی جا رہی ہے Sense of Proportion تو کہیں ڈھونڈے نہیں ملتی۔ شریعت اسلامی کی عمارت دراصل اس ترتیب سے قائم ہوئی تھی کہ سب سے پہلے کتاب اللہ پھر سنت رسول اللہ پھر ان دونوں کی روشنی میں اہل تقویٰ اور اہل اخلاص ارباب علم و بصیرت کا اجتہاد ہو۔ لیکن بدقسمتی سے اس ترتیب کو الٹ دیا گیا ہے اور اب اہمیت کے اعتبار سے ترتیب یوں قرار پائی ہے کہ سب سے پہلے ایک خاص طبقہ یا اپنی پسند کے علماء کے اجتہاد کو بنیاد بنا لیا گیا۔ پھر سنت رسول اللہ کی طرف بہ تکلف کبھی کبھی نگاہ اٹھالی۔ پھر خانہ پُری کے طور پر یا تبرک کے طور پر کتاب اللہ کا نام بھی لے لیا گیا میرے ناقص خیال میں یہ ہماری بدنصیبی کی اصل وجہ یہی ہے۔

ائمہ فقہ، متکلمین، مفسرین محدثین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے علم و فضل انکی جلالت شان اور انکی مخلصانہ کوششوں کا انکار کون کر سکتا ہے مگر بشری کمزوریوں سے مستثنیٰ کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان کے پاس اکتساب علم کے وہی ذریعے تھے جو سب انسانوں کو حاصل ہونے ممکن ہیں۔ ان کے پاس وحی نہیں آتی تھی، ہاں وہ اپنی عقل و بصیرت سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر غور و فکر کیا کرتے تھے۔

اس طرح ان کی کاوش سے جو اصول ان کے نزدیک متحقق ہو جاتے تھے انکی مدد سے وہ حضرات فروعی قوانین اور مسائل کا استنباط کیا کرتے تھے۔ ان کے یہ اجتہادات ہمارے لئے مددگار اور رہنما تو ضرور بن سکتے ہیں اور بننے چاہئیں مگر بجائے خود اصل ماخذ اور منبع

نہیں قرار دیئے جا سکتے۔ انسانی اجتہاد خواہ اسکی بنیاد کچھ بھی ہو دنیا کے لئے دائمی قانون اور اٹل قاعدہ نہیں بن سکتا کیونکہ انسانی عقل، علم اور سوچ زمانہ کی قیود سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ زمان و مکان کی قید سے آزاد صرف وہی کتاب اور اس کے قوانین ہیں جو اس ہستی نے نازل فرمائی جو خود خالق زمان و مکان ہے۔ اس کتاب کا فیضان دو صورتوں میں بندوں تک پہنچا ایک الفاظ وآیات قرآنی کی صورت میں دوسرا ان الفاظ وآیات کی نبوی تفسیر اور عملی تعبیر کی صورت میں جسے اصطلاح میں سنت کہتے ہیں۔ یہی کتاب وسنت درحقیقت شریعت کے قانون کا وہ بنیادی ماخذ اور سرچشمہ ہے جس سے ہمیشہ اور ہر زمانے کے لوگ اپنے مخصوص حالات اور اپنی ضروریات کے مطابق قوانین اخذ کر سکتے ہیں۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ جب تک اس نہج سے تشریعی امور طے ہوتے رہے اسلامی نظام کو ہر زمانہ اور ہر مملکت کے دل کی آواز قرار دیا جاتا رہا۔ جب کتاب وسنت پر کماحقہ غور وفکر کرنے کا جذبہ ماند پڑ گیا اور ان دونوں بنیادی ماخذوں سے بے نیاز ہو کر صرف اپنی پسند کے فقہی مکتب فکر کو ہی بنیاد بنا لیا گیا تو اسلام ایک حرکی قوت (Dynamie Force) کی بجائے محض چند رسوم کا مجموعہ سمجھا جانے لگا۔ جو لوگ اقوام عالم کی علمی اور عملی رہنمائی کرنا سعادت سمجھتے تھے اب اغیار کی دریوزہ گری پر اتراتے نظر آتے ہیں۔ اور لے دے کے ایک شغل رہ گیا ہے کہ جزوی اور فروعی مسائل کو بنیاد بنا کر اسلام سے جان چھڑانے اور نت نئے مذاہب ایجاد کرنے اور فرقہ بندی کو ہوا دینے میں کوئی کمی نہ رہنے دی جائے۔ اس کا نتیجہ لازماً وہی نکلنا تھا جو ہم دیکھ رہے ہیں کہ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا کی جگہ يَخْرُجُونَ مِنْ دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا کا سماں نظر آنے لگا اور أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کی جگہ رحماء علی الکفار واشداء بینھم کے مناظر سامنے آنے لگے اور کتاب اللہ نے تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ کے الفاظ سے منافقین کی سیرت کا جو نقشہ پیش کیا

اب وہ حالت مسلمانوں کا مقدر بن چکی ہے۔

یوں تو فقہ کا تعلق جہاں انسان کی انفرادی زندگی سے ہے وہاں اجتماعی زندگی میں بھی رہنمائی کرنا فقہ ہی کا منصب ہے۔ مگر ۱۲ ربیع الاول سے نفاذ حدود کا جو اعلان ہوا ہے اس کے پیش نظر میں اس مقالہ میں صرف چند اجتماعی مسائل پر فقہ جعفریہ کی روشنی میں اظہار خیال کروں گا۔ میں نے ان مسائل کے مطالعہ اور ان کو سمجھنے کے سلسلے میں جو حقائق حاصل کئے ہیں انہیں خواص اور عوام کے سامنے پیش کرنے سے پہلے میں نے اپنے استاد مکرم حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب موضع چکڑالہ ضلع میانوالی سے تصدیق کرانا ضروری سمجھا۔ جو میرے عقیدہ اور علم کے مطابق اس سلسلہ میں ایک مسلمہ اتھارٹی ہیں۔ حضرت استاد مکرم نے میرے ذاتی خیالات سے قطع نظر کرتے ہوئے کتابوں کے حوالہ جات اور اقتباسات کی تصدیق فرمائی تو مجھے یہ فریضہ ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

میں اس یقین سے یہ گذارشات پیش کر رہا ہوں کہ ہم ہوشمندی سے اس مسئلہ کو حل کرنیکی کوشش کریں اور مختلف فقہوں کا واضح فرق نمایاں طور پر سامنے آجائے۔ کسی کے عقائد کو مجروح کرنا یا منافرت پھیلانا ہرگز مقصود نہیں بلکہ غور و فکر کی دعوت کے ساتھ غور و فکر کے لئے مستند حقائق پیش کر دینا ملک و قوم کی خدمت سمجھتا ہوں۔

نفاذ شریعت کے پچھلے ایڈیشن کے منظر عام پر آنے کے بعد بعض حلقوں نے حقائق کو تسلیم کرنے کی بجائے حوالہ جات کے متعلق شک و شبہ پیدا کرنے کی کوشش کی اس لیے اس ایڈیشن میں جملہ متعلقہ کتب ہائے فقہ جعفریہ سے حوالہ جات کی فوٹو سٹیٹ کاپیاں شامل کرنا ضروری محسوس ہوا۔ اس لئے رسالہ کے آخر پر میں نے صفحہ کے حاشیہ متعلق

حصّہ کو خط کشیدہ کر کے نفاذ شریعت کا صفحہ نمبر دے دیا ہے۔ اگر اہل علم اصل کتابوں کا ملاحظہ فرمانا چاہیں تو میں یہ فریضہ بھی ادا کر سکتا ہوں۔

اس دوران ایک آوازہ یہ بھی آئی کہ تفسیر منہج الصادقین کا مصنف ایک عام مولوی ہے۔ اس کی تحریر محبت نہیں اس بہانہ کی حقیقت ظاہر کرنے کے لیے تفسیر کے ساتھ شروع میں لکھے ہوئے دیباچے میں سے دو صفحات کی نقول سب سے آخر میں لگا دی ہیں ان میں ترجمۂ مولف" کے عنوان کے تحت شیعہ علماء کے حلقے میں مصنف کا مقام معلوم ہو سکتا ہے۔

اجتماعی مسائل کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ہر نظریہ اور مکتب فکر کا پس منظر جاننا ضروری ہوتا ہے اس لیے میں اس مقالہ کی ابتدا فقہ جعفریہ کی تاریخ سے کرتا ہوں

امان اللہ لک

پیشِ لفظ (طبع سوم)

نفاذ شریعت کے نام سے اس کتاب کا موضوع اور مقصد واضح ہے۔ میں نے یہ کتابچہ خالصتہً قانونی نقطہ نگاہ سے نفاذ شریعت کے سلسلے میں لکھا تھا۔ میری یہ ناچیز کوشش محض ایک قانون دان کی حیثیت سے تھی۔ میں نہ تو ذاتی ملا ہوں نہ مفتی نہ فقیہہ نہ مناظر اور نہ ماہر فقہ حنفیہ۔ میں نے اپنے ذاتی مطالعہ اور مشاہدہ کے پیش نظر شیعہ کتب سے ان امور کو یکجا کیا تھا۔ جو کسی حد تک پبلک لا کے ضمن میں آتے ہیں۔ مدعا یہ تھا کہ اگر اس وقت ملک میں فقہ حنفیہ اور فقہ جعفریہ بیک وقت نافذ کر دی گئیں تو اس ملک کے قانون کا کیا نقشہ بنے گا اور اس کا حشر کیا ہوگا اور اگر فقہ جعفریہ نافذ ہو جائے تو اسلام کا مفہوم اور اس کا ایج کیسا بنے گا۔ اور اگر فقہ جعفریہ نافذ العمل ہو جائے تو قرآن وسنت کا مفہوم کیا ہوگا۔ کیونکہ فقہ جعفریہ کی بنیاد اس امر پر ہے۔ کہ موجودہ قرآن وہ نہیں ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ اور جو نازل ہوا تھا اس کا وجود دنیا پر کہیں پایا نہیں جاتا۔ اور سنت اس ذخیرہ احادیث سے ملتی ہے جو رسول کریم ؐ کے صحابہ نے روایت کی ہیں اور فقہ جعفریہ کا دوسرا بنیادی عقیدہ یہ ہے — رسول کریم کے انتقال فرماتے ہی تین کے علاوہ سب صحابہ معاذ اللہ مرتد ہو گئے۔ لہٰذا بقول شیعہ حدیث کا ذخیرہ تو مرتدین کی روایت کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا یہ دین کی بنیاد اور قانون کا ماخذ کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے۔ نتیجتہً قرآن وسنت کے الفاظ بالکل بے معنی ہو کر رہ جائیں گے اور اگر فقہ جعفریہ نافذ ہو گئی تو ملک کا سواد اعظم جس حد تک قرآن وسنت پر عمل پیرا ہے اس کا کیا حشر ہوگا۔ اور اسلام کی کیا صورت بنے گی۔ لیکن بدنصیبی کہیے یا کچھ اور میرے

میرے اس پمفلٹ پر میرے خلاف مذہبی منافرت پھیلانے کا بے بنیاد مقدمہ ۲۸۹ تھانہ صدر گجرات میں سرکاری طور پہ درج کرا دیا گیا اور مجھے ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا کر کے سنگین صورت حال کا سامنا کرنے کے لئے آزمائش میں ڈال دیا گیا۔ یہ مقدمہ مؤرخہ ۲۰-۸-۷۹ بجرم ۱۵۳/A ت پ درج ہوا۔ اور مؤرخہ ۱۸-۱-۸۱ کو چالان عدالت میں پیش ہوا۔ اور فرد جرم عاید کیا گیا۔ مقدمہ کے دوران اور کارروائی عدالت میں میرے تین سوال تھے۔ جن کا جواب نہ انتظامیہ کے پاس تھا نہ "فقہ جعفریہ نافذ کرو" کا نعرہ لگانے والوں کے پاس تھا۔

سوالات یہ تھے :-

(۱) میں نے جن کتب کے حوالہ جات نقل کئے ہیں کیا وہ فقہ جعفریہ کی مستند اور بنیادی کتابیں نہیں ہیں ؟

(۲) میں نے جو حوالہ جات لکھے ہیں۔ سیاق سباق سے الگ کر کے پیش کئے ہیں۔ یا عبارت غلط ہے یا ترجمہ غلط ہے ؟

(۳) اگر میرے پمفلٹ میں مندرجہ کتب فقہ جعفریہ کی بنیادی کتابیں نہیں ہیں تو وہ کون سی کتابیں ہیں جن پر انحصار کرتے ہوئے علیحدہ فقہ جعفریہ کے نفاذ کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

ان سوالات کا جواب دینے کے لئے تفتیشی افسران نے فقہ جعفریہ کے ماہرین اور مبلغین کو ۲۹-۸-۷۹ سے لے کر ۱۵-۱-۸۱ تک موقع دیا کہ پیش ہو کر ان حقائق کی تردید کریں۔ لیکن کسی شیعہ فقیہہ کو جرأت نہ ہوئی کہ ان کی تردید کرے نہ ہی عدالت میں تائیدی شہادت پیش کر سکے۔ چنانچہ ۲۰-۱-۸۱ کو سرکار نے یہ مقدمہ بوجہ عدم ثبوت واپس لے لیا۔ جو اس حقیقت کی تصدیق تھی کہ نفاذ شریعت میں لکھا گیا ایک ایک حرف صحیح اور مستند ہے اور اس مقدمہ کی کارروائی کے علاوہ کسی شیعہ۔ فقیہہ یا مجتہد نے اس کی تردید میں نہ کہا نہ لکھا۔ میں نے دوسرے ایڈیشن میں قارئین کے دل میں پیدا ہونے والے شکوک کو دور کرنے کے لئے کتب ہائے متعلقہ کے حوالہ جات کی فوٹو سٹیٹ شامل کر دی تھیں۔ چونکہ تائید غیبی سے اس چھوٹے سے کتابچہ نے

ہر پڑھنے والے کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ لہٰذا یہ اقدام ضروری تھا۔ تیسرے ایڈیشن میں میں نے فوٹوسٹیٹ نقول لگانی اس لئے مناسب نہ سمجھیں۔ کہ اب کتابچہ کی صداقت مسلّمہ ہے۔

اس کتابچہ کے مطالعہ کرنے والوں نے مجھے ہزاروں خطوط لکھے۔ میرے لئے ان خطوط کا جواب دینا ناممکن تھا۔ اس لئے میں ان سب احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے جہاں میری بخشش کے لئے دعائیں کیں وہاں میری حوصلہ بھی ہوئی۔ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اللہ نے یہ کام مجھ جیسے گنہگار سے لیا۔

میں نے قارئین کے چند خطوط کو اس ایڈیشن میں شامل کیا ہے جو قارئین کے تاثرات کے آئینہ دار ہیں۔ میں نے نفاذ شریعت کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن میں اجتماعی مسائل کا ذکر اس لئے کیا تھا کہ ملک میں سوادِ اعظم کے مطالبہ پر نفاذ شریعت ہو رہا تھا۔ جس میں پبلک لا کے نفاذ کے ضمن میں فقہ جعفریہ کی فضیلت بیان کرنا وقت کا تقاضا تھا اور اب اس ایڈیشن میں فقہ جعفریہ کے وہ حصے بھی پیش کرتا ہوں جن کا تعلق پرائیویٹ لا سے ہے۔

میری یہ کوشش ایک قانون دان کی اور قانون سازی کے ادارہ (پنجاب اسمبلی) میں قانون سازی کے ذاتی تجربہ کی بنا پر ہے۔ میں نہ ہی مولوی ہوں اور نہ ہی فقیہہ اور نہ ہی جنونی ملا ہوں۔ اس لئے میری تحریر کو خالصتہً قانونی نقطہ نگاہ سے دیکھا اور پڑھا جائے تو میرے ساتھ انصاف ہوگا۔

آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب قارئین کو حقیقت حال سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ محرومانِ ازلی کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے دین مصطفےٰ کی خدمت کا موقعہ اور ہمت عطا فرمائے اور میری یہ ادنیٰ سی کوشش میری بخشش کا سبب بنے۔

آپ کی دلی دعاؤں کا طالب

امان اللہ ملک ایڈووکیٹ ۱ جناح روڈ۔ گجرات۔

تاریخ فقہ جعفریہ

اس فقہ کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ امام جعفر کے نام سے منسوب ہے۔ جس سے یہی تاثر ملتا ہے کہ امام جعفر کے عہد میں یا آپکی زیر نگرانی اس فقہ کی تدوین ہوئی مستند کتب شیعہ میں امام باقر تک فقہی اعتبار سے شیعہ کا دور جاہلیت ہی ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً

اصول کافی صفحہ ۳

ثم کان محمد بن علی ابا جعفر وکانت الشیعۃ قبل ان یکون ابو جعفر وھم لا یعرفون مناسک حجھم وحلالھم وحرامھم حتی کان ابو جعفر ففتح لھم وبین لھم مناسک حجھم وحلالھم وحرامھم حتی صار الناس یحتاجون الیھم من بعد ما کانوا یحتاجون الی الناس

پھر امام باقر آئے ان سے پہلے تو شیعہ حج کے مناسک اور حلال وحرام سے بھی واقف نہیں تھے۔ امام باقر نے شیعہ کے لئے حج کے احکام بیان کئے اور حلال وحرام میں تمیز کا دروازہ کھولا۔ یہاں تک کہ دوسرے لوگ ان مسائل میں شیعہ کے محتاج ہونے لگے جبکہ اس سے پہلے شیعہ ان مسائل میں دوسروں کے محتاج تھے۔

اس اعتراف سے ظاہر ہے کہ امام باقر سے پہلے شیعہ حلال وحرام سے واقف ہی نہیں تھے

امام باقر کا سن وفات ۱۱۳ھ ہے یعنی پہلی صدی اور اوائل دوسری صدی میں فقہ جعفری کا وجود ہی نہیں تھا۔ اس لئے کسی اسلامی سلطنت میں اس کے نافذ کئے جانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس زمانے میں خلافت راشدہ اور خلافت

بنو امیہ کا اکثر حصہ شامل ہے۔ پس یہ تاریخی حقیقت ہے کہ پہلی صدی میں فقہ جعفریہ کا نہ وجود تھا نہ کہیں اس پر عمل ہوتا تھا۔

اسلام کی دعوت کے ساتھ نبی کریم ؐ نے حلال و حرام کی نشاندہی فرمادی تھی جب دین مکمل ہو گیا تو حلال و حرام، عبادات، معاملات، عقائد تمام چیزیں مکمل ہو گئیں، حضور ؐ نے نہ صرف سب کچھ بتا دیا بلکہ ان اصولوں پر ایک معاشرہ تیار کیا۔ خلافِ راشدہ کے دور میں حلال و حرام کے ان مسائل پر عمل ہوتا رہا جو نبی کریم ؐ نے بتائے تھے، مگر صاحب اصول کافی کہتے ہیں کہ شیعہ کو حلال و حرام کا علم نہ تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ شیعہ کو حلال و حرام کے ان مسائل اور حج کے ان مناسک سے تعلق کوئی نہیں تھا جو اسلام نے اور داعئ اسلام نے سکھائے تھے۔

امام باقر کے متعلق کتب شیعہ سے اس بات کا سراغ ملتا ہے کہ آپ نے شیعہ کو حلال و حرام کا احساس دلایا اور ان کو حدود سے روشناس کرایا لیکن اس کا کہیں سراغ نہیں ملتا کہ آپکی زیر نگرانی کسی فقہ کی تدوین ہوئی۔

اس کے بعد امام جعفر کا دور آتا ہے آپکی وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی چونکہ یہ فقہ انکی طرف منسوب ہے اس لئے اس امر کی تلاش کی جائے کہ آپ نے فقہ کی کوئی کتاب اپنی نگرانی میں تیار کرائی۔ تاریخ سے اس کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ پھر اسکی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آپ نے جو روایات اخبار اور احادیث بیان فرمائیں انہیں فقہی ابواب کے تحت جمع کرلیا گیا۔ بنیادی طور پر وہ حدیث کی کتابیں شمار ہونگی مگر چونکہ ان کی تدوین فقہی عنوانوں کے تحت ہوئی اس لئے ان کتب کو فقہ جعفریہ کی بنیادی کتابیں تصور کر لینا چاہیئے۔ اس نوع کی کتابیں چار ہیں جن کو صحاح اربعہ کہتے ہیں۔

(۱) الکافی۔ ابو جعفر کلینی ۳۲۳ھ یعنی امام جعفر سے قریبًا ایک سو اسی ۱۸۰ برس بعد کی تصنیف ہے۔

(۲) من لا یحضرہ الفقیہ۔ محمد بن علی ابن بابویہ قمی ۳۸۱ھ یعنی امام جعفر سے قریباً دو سو تیس ۲۳۰ برس بعد۔

(۳) تہذیب الاحکام اور (۴) استبصار محمد بن حسن طوسی ۴۶۰ھ یعنی امام جعفر سے قریباً ۳۱۰ برس بعد۔

فقہ جعفریہ کی ان چاروں کتابوں کا ذرا تفصیل سے جائزہ لیا جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلی کتاب اصول کافی اس وقت لکھی گئی جب خلفائے عباسیہ کے اکیسویں خلیفہ المتقی باللہ کا دور خلافت تھا۔ اور آخری کتاب کے مصنف کا سن وفات بتاتا ہے کہ اس وقت خلفائے عباسیہ کے چھبیسویں خلیفہ القائم بامراللہ کا دور خلافت تھا۔ گویا پانچویں صدی ہجری کے اواخر میں تو فقہ جعفریہ کامل طور پر وجود میں آئی اس لئے پانچویں صدی بلکہ سقوط بغداد تک اس فقہ کا کسی اسلامی حکومت میں نافذ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس کے بعد مصر میں عباسی خلافت مستنصر باللہ ۶۵۹ھ سے متوکل علی اللہ ثالث ۹۲۳ھ تک وہاں بھی اس فقہ کے نفاذ کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

پھر ترکان عثمانی کی خلافت عثمان خان اول ۱۲۸۸ء سے ۱۹۲۴ء تک رہی جب مصطفیٰ کمال نے خلافت کا خاتمہ کر دیا اس عرصے میں بھی اس اسلامی سلطنت میں بھی فقہ جعفریہ کے رائج ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

ادھر برعظیم میں ۱۱۹۳ء میں محمد غوری سے لیکر آخری مغل بادشاہ تک کسی وقت بھی فقہ جعفریہ کے رائج ہونے کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔

مختصر یہ ہے کہ کسی اسلامی حکومت نے کسی دور میں فقہ جعفریہ کو اپنے دستور یا قانون میں جگہ نہیں دی۔

فقہ جعفریہ کے متعلق تاریخی سروے تو ضمناً آ گیا۔ بات یہ چل رہی تھی کہ امام

جعفر کے بعد ایکسو۱۸۰ اسی برس سے لیکر تین سو دس۳۱۰ برس بعد تک یہ کتابیں مدون ہوئیں جو امام جعفر سے منسوب کر کے فقہ جعفریہ کی اصولی اور بنیادی کتابیں شمار ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس عرصے میں امام جعفر کی روایات مختلف راویوں کے ذریعے ان محدثین کے پاس پہنچی ہونگی۔ اس لئے ان مسائل اور اس فقہ کے صحیح یا مشکوک ہونے کا انحصار ان رواۃ کی ثقاہت اور عدم ثقاہت ہے۔ اس بناء پر ضروری ہے، جعفریہ فن رجال اور کے بیان کی روشنی میں اس حقیقت کا جائزہ لیا جائے۔

مشہور شیعہ مجتہد ملا باقر مجلسی نے اپنی مایہ ناز کتاب حق الیقین ص۳۷۱ پر اس حقیقت کا اظہار یوں کیا ہے۔

"اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اہل حجاز و عراق، خراسان و فارس وغیرہ سے فضلاء کی ایک جماعت کثیر حضرت باقر اور حضرت صادق نیز تمام آئمہ اصحاب سے تھی مفضل زرارہ محمد بن مسلم، ابو بریدہ، ابو بصیر، ہشامین، حمران، جبکر موصن طاق، امان بن تغلب اور معاویہ بن عمار کے اور ان کے علاوہ اور کثیر جماعت بھی تھی جن کا شمار نہیں کر سکتے اور کتب رجال اور علمائے شیعہ کی فہرستوں میں سطور مذکور ہیں یہ سب شیعوں کے رئیس تھے ان لوگوں نے فقہ، حدیث و کلام میں کتابیں تصنیف کر کے تمام مسائل کو جمع کیا ہے.....

..... ان لوگوں کا اختصاص ائمہ طاہرین کے ساتھ معلوم و متحقق ہے جیسا کہ ابوحنیفہ کے ساتھ ابو یوسف اور اس کے شاگردوں کا اختصاص"

یہ اقتباس ایک طویل بیان کا حصہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

(۱) اصحاب آئمہ کی کثیر جماعت جس کا شمار نہیں ان کے متعلق تو کہا نہیں جا سکتا مگر جن کا شمار کیا جا سکتا ہے ان کے نام دیئے گئے ہیں اور وہ شیعوں کے رئیس ہیں۔

(۲) ائمہ سے ان اصحاب نے فقہ و حدیث کے مسائل جمع کئے ہیں۔

(۳) اگر یہ حضرات ثقہ ثابت ہو جائیں تو فقہ جعفریہ آئمہ سے ماخوذ ثابت ہو سکتی ہے۔ اس فقہ کا ماخذ کتاب اللہ سے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ شیعہ عقیدہ کی رو سے یہ قرآن محرف ہے اور تحریف بھی پانچ قسم کی ہوئی ہے لہذا اس کا کیا اعتبار۔

اب ہم ان رؤسائے شیعہ کے حالات شیعہ کتب رجال سے پیش کرتے ہیں۔

(۱) **زرارہ**:۔ یہ صاحب تو اصحاب ائمہ کے بھی رئیس ہیں یہانتک کہ انکی علمی فضیلت امام جعفر کے ہم پایہ ہے، رجال کشی میں ہے۔

قال اصحاب زرارۃ من ادرك زرارۃ بن اعین فقد ادرك ابا عبد اللہ۔	اصحاب زرارہ کہتے ہیں کہ جس نے زرارہ کو پا لیا اس نے امام جعفر کو پا لیا۔

(ص ۹۵)

ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ کسی کی تعریف اور کیا ہو سکتی ہے۔ مگر سوال تو امانت و دیانت اور کردار کا ہے سو اس کے متعلق رائے ملاحظہ ہو۔

(۱) حق الیقین اردو ص ۷۲۲

"یہ حکم ایسی جماعت کے حق میں ہے جن کی ضلالت پر صحابہ کا اجماع ہے جیسا کہ زرارہ اور ابو بصیر"

یعنی ضرارہ اور ابو بصیر بالاجماع گمراہ ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جو خود گمراہ ہے وہ دوسروں کی رہنمائی کیا کرے گا۔ جس راہ پر خود چلا ہے دوسروں کو بھی اسی راہ پر چلائے گا۔

(۲) قال (ای امام) نعم زرارۃ شر من الیھود و النصاریٰ و من قال ان اللہ ثالث ثلاثہ (رجال کشی ص۱۰۷)

"امام جعفر نے فرمایا کہ زرارہ تو یہود و نصاریٰ اور تثلیث کے قائلین سے بھی برا ہے"

امام جعفر کا زرارہ کو قائلین تثلیث سے بھی برا قرار دینا خالی از علت نہیں۔ اور نہ نری شاعری ہے، اس سے یہ مراد ہو سکتی ہے کہ امام نے زرارہ کے متعلق آگاہ کر دیا کہ جس طرح قائلین تثلیث نے دین حق سے منہ موڑ کر تثلیث کا عقیدہ گھڑ لیا اور ایک مخلوق کو گمراہ کیا اسی طرح زرارہ بھی دین اسلام سے منحرف ہو کر ایسے عقائد گھڑ لے گا کہ ایک دنیا گمراہ ہو جائیگی اور واقعی امام کا خدشہ درست ثابت ہوا

(۳) امام جعفر نے فرمایا لعن اللہ زرارہ، لعن اللہ زرارہ، لعن اللہ زرارہ۔

(رجال کشی ص۱۰۰)

یعنی امام جعفر نے تین مرتبہ فرمایا کہ اللہ لعنت کرے زرارہ پر۔

ظاہر ہے کہ جس فقہ کا رئیس اعظم ایسا ہو جس کو امام نے بتاکید ملعون قرار دیا ہو اس فقہ کی ثقاہت، افادیت اور فضیلت کا انکار کون کر سکتا ہے۔

امام تو آخر امام تھے اور امام بقول شیعہ معصوم ہوتا ہے۔ اس لئے معصوم کے قول میں شک کی گنجائش کہاں۔ لہذا زرارہ کے ملعون ہونے کا انکار وہی کرے۔ جو امام کا منکر ہو۔ مگر دوسری طرف زرارہ کا ردِ عمل بھی ناقابل التفات نہیں۔ زرارہ کہتا ہے۔

فلما خرجت ضرطت فی لحیتہ فقلت لا یفلح ابدا (رجال کشی ص۱۰۶)

یعنی جب میں باہر نکلا تو میں نے امام کی ڈاڑھی میں پاد مارا اور میں نے کہا کہ امام کبھی نجات نہ پائے گا۔"

مقابلہ بڑا عبرتناک ہے اور ایک طرف سے لعنت برسائی جارہی ہے۔ دوسری جانب سے عدم نجات کی بشارت سنائی جارہی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ جس امام کی ڈاڑھی میں پاد مارنے والا اور جس امام کو نجات نہ پانے کی اطلاع دینے والا اسی امام سے منسوب کرکے دین وفقہ سکھائے تو ایسے دین وفقہ کی حیثیت ارباب دانش ہی سمجھ سکتے ہیں۔

(۲) **ابو بصیر** :- حق الیقین میں زرارہ کے ساتھ گمراہی میں واحد حصہ دار ابو بصیر کو بتایا گیا ہے لہذا اسی کے متعلق پہلے بیان ہوتا ہے۔

فقہ جعفریہ کے مسائل میں یہ شخص بھی رؤساء میں شمار ہوتا ہے اس لئے امام جعفر کے متعلق اس کا عقیدہ معلوم کر لینا کافی ہے۔

رجال کشی ص ۱۱۶

قال جلس ابو بصیر علی باب ابی عبد اللہ علیہ السلام یطلب الاذن ولم یوذن لہ فقال لو کان معنا طبق لاذن۔ قال فجاء کلب فشغر فی وجہ ابی بصیر۔

راوی کہتا ہے ابو بصیر امام جعفر کے دروازے پر بیٹھا تھا اندر جانے کی اجازت چاہتا تھا مگر امام اجازت نہیں دے رہے تھے ابو بصیر کہنے لگا اگر میرے پاس کوئی تھال ہوتا تو اجازت مل جاتی۔ پھر کتا آیا اور اور اس کے منہ میں پیشاب کر دیا۔

اس سے ظاہر ہے کہ (۱) ابو بصیر کی نگاہ میں امام جعفر بڑے طماع، دنیا پرست تھے۔ رشوت لے کر ملاقات کی اجازت دیتے تھے۔

(۲) ابو بصیر خود اصحاب ائمہ میں اس فضیلت کا مالک تھا کہ دروازے پر پڑا رہے تو اس کو ملاقات کی اجازت ہی نہیں ملتی تھی۔ اہمیت کا کیا کہنا

(۳) ابو بصیر چونکہ اندھا تھا کتنے کو دیکھ نہ سکا مگر اتنا تو سوچا کہ آنکھیں تو خدا نے بند کی تھیں منہ تو خود بند رکھتا آخر منہ کھول کے لیٹنے میں کون سی حکمت ہے پھر کتا آخر جانور ہے مگر اتنی سمجھ تو اسے بھی تھی کہ پیشاب کرنے کے لئے موزون جگہ کون سی ہے۔

(۴) یہ اتفاق سمجھئے یا قدرت کی طرف سے انتباہ کہ اس منہ سے گلفشانی کی توقع نہ رکھنا بلکہ جیسا کچھ اس منہ میں داخل ہو رہا ہے ایسی ہی پاکیزہ باتیں اس سے نکلیں گی۔

ظاہر ہے کہ ایسے مقدس منہ سے نکلے ہوئے مسائل کیسے پاکیزہ اور مقدس ہوں گے۔ اور جس امام کے متعلق اس صحابی کی یہ رائے ہے اس سے منسوب کر کے جو مسائل بیان کئے گئے ہوں گے یا گھڑے گئے ہوں گے ان کے ثقہ اور معتبر ہونے میں کس احمق کو شبہ ہو سکتا ہے۔

(۳) **محمد بن مسلم** :- اس کا دعویٰ ہے کہ امام باقر سے ۳۰ ہزار حدیثیں سنیں اور امام باقر سے ۱۶ ہزار حدیث کی تعلیم پائی۔ (رجال کشی صـ ۱۰۹)

عن مفضل بن عمر قال سمعت ابا عبد اللہ یقول لعن اللہ محمد بن مسلم کان یقول ان اللہ لا یعلم شیئاً حتی یکون

رجال کشی صـ ۱۱۳

مفصل کہتا ہے میں نے امام جعفر سے سنا فرماتے تھے کہ محمد بن مسلم پر اللہ تعالےٰ کی لعنت ہو یہ کہتا تھا کہ جب تک کوئی چیز وجود میں نہ آجائے اللہ کو اس کے متعلق علم نہیں ہوتا۔

اول تو جس آدمی کا عقیدہ اللہ تعالےٰ کے متعلق یہ ہو اس کے تفقہ فی الدین کا طول وعرض آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ پھر جس کو امام جعفر کی

طرف سے اللہ کی لعنت کا تحفہ یا سند ملے اس کی ثقاہت کا حال معلوم۔ یہاں تک یوں لگتا ہے کہ جیسے فقہ جعفریہ کی تیاری میں اس امر کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ ان اصحاب ائمہ کی روایات قبول کی جائیں جن کو ائمہ نے ملعون قرار دیا ہے۔ فرق اتنا ہے کسی کو اکہری لعنت، کسی کو لعنت × لعنت × لعنت یعنی (لعنت)[۳] مگر اپنا اپنا ظرف ہے جو جتنے کے قابل ہو اسے اتنا ہی ملتا ہے۔

علامہ مجلسی نے جن تین اصحاب ائمہ کو سرفہرست رکھا ہے ان کے حالات سے اندازہ کر لیا جا سکتا ہے کہ جب اکابر کا یہ حال ہے تو اصاغر کس پائے کے ہوں گے

اب ذرا ان اصحاب میں سے بھی ایک معروف شخصیت کا تعارف کرا دیا جائے جن کا علامہ مجلسی نے ذکر نہیں کیا مگر ہیں وہ بھی چوٹی کے اصحاب۔

(۱) جابر بن یزید:۔ محمد بن مسلم کا دعویٰ تو آپ نے پڑھ لیا کہ امام باقر سے تیس ہزار احادیث لی تھیں۔ یہ صاحب ان کے بھی استاد نکلے۔ ان کا دعویٰ ملاحظہ ہو۔

رجال کشی ص ۱۲۸

عن جابر بن یزید الجعفی قال حدثنی ابو جعفر بسبعین الف حدیث۔

جابر کہتا ہے کہ میں نے امام باقر سے ستر ہزار حدیث تعلیم پائی ہے۔

اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا علمی مرتبہ محمد بن مسلم سے دوچند سے بھی زیادہ ہے۔ اب اسی فضیلت مآب کی دیانت و امانت کا حال سنیئے۔

رجال کشی ص ۱۲۶

عن زرارہ قال سئلت ابا عبد اللہ من حدیث جابر فقال ما رأیتہ

زرارہ کہتا ہے میں نے امام جعفر سے جابر کی احادیث کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ یہ میرے

عن ابی قط الا مرۃ واحدۃ وما　　والد سے صرف ایک مرتبہ ملا اور میرے پاس
دخل علی قط　　تو کبھی آیا ہی نہیں۔

یہ بات رئیس اعظم زرارہ بیان کر رہا ہے۔ نہ جانے اسے اسکی ضرورت کیوں محسوس ہوئی ممکن ہے اس کا ستر ہزار احادیث کا دعویٰ سن لیا ہوگا۔ تو اسے تعجب، حسرت، یا رشک پیدا ہوا ہوگا۔ مگر جواب جو ملا اس سے زرارہ کی تشفی تو شاید ہو گئی ہو مگر امام کے بیان نے تو عجائبات کا ایک باب کھول دیا مثلاً

(۱) ایک ملاقات میں امام نے ستر ہزار حدیثیں تعلیم فرما دیں یعنی اگر ایک منٹ فی حدیث شمار کیا جائے تو ۱۱۶۶ گھنٹے بنتے ہیں۔ یعنی ۴۸ دن سے کچھ زیادہ وقت بنتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اتنی لمبی نشست کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

(۲) اگر جابر صرف حدیثیں سنتا رہا تو اس کے حافظہ کا کمال ہے کہ ایک دفعہ سن کر ستر ہزار حدیث یاد کر لی۔

(۳) اگر یہ محال نظر آتا ہے تو پھر وہ ساتھ ساتھ لکھتا رہا۔ اگر یہ صورت فرض کر لی جائے تو وقت کو اور بڑھانا پڑے گا۔ دو چند سے کم کیا ہو سکتا ہے گویا یہ ایک ملاقات تین مہینے سے بھی تجاوز کر گئی اگر یہ نہ مانا جائے تو اور صورت کوئی نہیں کیونکہ اس زمانے میں شارٹ ہینڈ کے رواج کا کوئی ثبوت نہیں ملتا

(۴) اگر جابر کا دعویٰ تسلیم کیا جائے تو سب سے پہلے عقل اسے تسلیم نہیں کرتی اور اس سے بڑی بات یہ ہے کہ امام کو جھوٹا تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

(۵) اگر امام کو سچا تسلیم کریں جیسا کہ ضروری ہے تو جابر کو پرلے درجے کا جھوٹا ماننا پڑتا ہے اور اس کے بغیر چارہ نہیں۔

(۶) اگر جابر کو بددیانت جھوٹا اور جعلساز تسلیم کیا جائے تو فقہ جعفریہ کے پلے

کچھ نہیں رہتا۔

اصحاب ائمہ میں سے کچھ حق الیقین میں مذکور کچھ غیر مذکور کے حالات نمونہ کے طور پر شیعہ کی کتب رجال میں سے پیش کئے گئے۔

اب ذرا اس معاملے کو ایک اور زاویئے سے دیکھئے۔

(۱) علامہ مجلسی نے تو فرمادیا کہ "یہ کثیر جماعت تھی جو سب شیعوں کے رئیس تھے"۔ مگر آئمہ کا بیان اس سے مختلف ہے مثلاً

اصول کافی ص۴۹۶ امام جعفر کا بیان ہے:-

"اے ابو بصیر اگر تم میں سے (جو شیعہ ہو) تین مومن مجھے مل جاتے جو میری حدیث ظاہر نہ کرتے تو میں ان سے اپنی حدیثیں نہ چھپاتا"

یہ بیان کیا ہے حقائق کا ایک بحر ناپید اکنار ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ امام جعفر کو عمر بھر ہی تین مومن بھی نہ ملے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ مومنوں کی فوج نہیں کھڑی کرنی چاہتے تھے بلکہ اپنے علوم اور اپنی حدیثیں سنانا چاہتے تھے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جب انہیں تین مومن نہ مل سکے تو انہوں نے اپنی حدیثیں کسی کو نہیں سنائیں جس سے منطقی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ کافی، استبصار، تہذیب اور من لایحضرہ الفقیہ کی صورت میں ہزاروں حدیثیں جو امام جعفر سے منسوب ہیں، وہ ان سے بیزاری کا اعلان کر رہے ہیں اور یہ سب جھوٹ بناوٹی ذخیرہ ہے۔

چوتھی بات اگر اس کا نتیجہ یہی ہے اور دوسرا کوئی ہو نہیں سکتا تو فقہ جعفری کی قدر و قیمت تو امام نے خود متعین کر دی۔

پانچویں بات یہ ہے کہ امام کا مقصد صرف کسی محرم راز کو حدیثیں سنانا تھا۔ حدیثیں پھیلانا مطلوب نہیں تھا۔ اس لئے فرمایا ان تین مطلوبہ مومنوں کی صفت بیان کی "جو میری حدیثیں ظاہر نہ کرتے"۔ لہذا معلوم ہوا کہ امام کی حدیثیں ظاہر کرنے

کی چیز نہیں چھپا کر رہنے کی چیز ہے تو پھر فقہ جعفریہ کو بر سر منبر اور بر سر دار لانے کے جتن کیوں ہو رہے ہیں یہ تو امام کی مخالفت کی تحریک ہے، اُن کے خلاف ایجی ٹیشن ہے یہ تو سٹرائیک ہے۔

امام جعفر نے اس سے آگے ایک قدم اور بڑھا کے فرمایا:-

"میں نے کوئی ایسا آدمی نہیں پایا جو میری وصیت قبول کرتا اور میری اطاعت کرتا سوائے عبداللہ بن یعفور کے"

(رجال کشی ص ۱۶۱)

لیجئے امام نے ایک اور گتھی سلجھا دی۔

(۱) امام جعفر کوئی شاعری نہیں کر رہے کہ شاعری کی ساری روش ہی مبالغہ سے ہوتی ہے بلکہ وہ تو حقیقت بیان کر رہے ہیں۔

(۲) جب امام جعفر کی ذات موجود تھی ان کی اطاعت کرنے والا صرف ایک مرد میدان نظر آتا ہے تو آج امام جعفر کیطرف منسوب فقہ جعفریہ پر عمل کرانے اور اسے نافذ کرانے کی کیا مجبوری ہے۔

(۳) اطاعت شعار صرف ایک ہے تو یہی قابل اعتماد بھی ہوگا اس لئے دین کی روایت جو اس سے چلے وہی معتبر ہوگی اس صورت میں دین شیعہ کا سارا عمل خبر واحد پر استوار ہوگا مگر اسکی بھی اتنی کوئی فکر نہیں کیونکہ رجال کشی ص ۲۶۸ پر اسکی سیرت کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بھی اپنے بھائیوں سے کچھ مختلف نہیں بلکہ بات وہی ہے

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ۲۶۰ھ تک فقہ جعفریہ کی کوئی کتاب مدون نہیں ہوئی تھی ہاں احادیث کی یہ چار کتب وجود میں آگئی تھیں مگر ان میں جو روایات درج ہیں وہ اکثر ان اصحاب ائمہ سے مروی ہیں جن کو ائمہ نے گمراہ ملعون

یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر مخلوق قرار دیا لہذا ائمہ کے بیان کے مطابق ان کتابوں کی روایات قابل اعتماد نہیں۔

پانچویں صدی ہجری میں مصنف تہذیب الاحکام اور استبصار کے بعد فقہ جعفریہ کے کام میں کوئی پیشرفت نہیں ہوئی۔ اور ان کتابوں کی عام اشاعت بھی نہ ہوئی اور زیر زمین ہی کام ہوتا رہا۔ دین شیعہ تو سراسر راز اور اخفا کی چیز ہے اگر کسی وقت کسی نے اس عقیدہ کو عام کرنے کی کوشش کی تو اسے سرزنش کی گئی۔ جیسا کہ

اصول کافی صـــــ ۴۳۰

قال ابو جعفر ولایۃ اللہ اسرھا الی جبرئیل واسرھا جبرائیل الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم واسرھا محمد الی علی واسرھا علی الی من شاء ثم انتم تذیعون ذالک۔

امام باقر نے فرمایا اللہ تعالےٰ نے ولایت کا راز جبرائیل کو راز میں بتایا۔ جبرآئیل نے یہ راز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخفی طور پر بتایا۔ حضور نے یہ راز حضرت علی کو کان میں بتایا پھر حضرت علی نے جسے چاہا بتایا مگر تم لوگ اسے ظاہر کرتے پھرتے ہو۔

گویا ولایت و امامت کا عقیدہ ہی راز کی چیز ہے اور شیعہ مذہب کی جان یہی عقیدہ تو ہے۔ لہذا اسے ظاہر کرنا امام کو ناراض کرنے کے مترادف ہے۔

آخر آٹھویں صدی ہجری میں ایک مجاہد اٹھا اس نے فقہ جعفریہ کی پہلی کتاب صحیح فقہی طرز پر لکھی۔ اس فقیہ کا نام محمد جمال الدین مکی ہے اور اس کتاب کا نام لمعہ دمشقیہ ہے۔ اس سلسلے میں چونکہ یہ پہلی کوشش تھی اس لئے اس کی پذیرائی اور قدر افزائی ہونی ایک فطری بات ہے۔ مگر حالات اس کے برعکس نظر آتے ہیں۔ اسے واجب القتل قرار دیکر قتل کر دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس کی وجہ اس کتاب کی تصنیف ہی ہو سکتی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب کوئی علمی یادبنی

خدمت نہیں سمجھی گئی بلکہ اس کے الٹ ہی کچھ سمجھا گیا اب اس کا نام جو چاہو رکھ لو۔ مگر جعفریہ نے اسے شہید اول کا لقب دیا۔

اس کے قتل سے عوام میں فقہ جعفریہ کی قدر و قیمت کا ایک معیار تو قائم ہو گیا، پھر حسب سابق جعفریہ زیر زمین ہی کام کرنے لگے، رفتہ رفتہ دسویں صدی ہجری میں ایک اور مجاہد اٹھا اور اس نے فقہ جعفریہ کو عام فہم کرنے اور اسے پھیلانے کے لئے لمعہ دمشقیہ کی شرح روضۃ البھیہ کے نام سے لکھی اس کا نام علامہ زین الدین ہے، جب متن لکھنے والا واجب القتل قرار دیا گیا تو اسکی شرح لکھنے والے کو کون سی جاگیر ملنی تھی چنانچہ اسے بھی اپنے پیشرو کی طرح واجب القتل قرار دیکر قتل کر دیا گیا۔ اور جعفریہ نے بھی حسب عادت اس کو شہید ثانی کا لقب دیا۔ فقہ جعفریہ کا علمی سرمایہ یہی کچھ ہے۔ ان کتابوں پر ممکن ہے انفرادی طور پر کوئی نیک شیعہ عمل کرتے ہوں مگر اجتماعی طور پر کسی حکومت نے اس فقہ کو قابل سرپرستی اور قابل نفوذ نہ سمجھا۔

علامہ مجلسی نے اپنی کتاب حق الیقین میں جہاں یہ بیان کیا کہ "ان لوگوں (یعنی آئمہ) نے فقہ حدیث و کلام میں کتابیں تصنیف کر کے تمام مسائل کو جمع کیا"

یہ بات ایک تاریخی مغالطہ نظر آتا ہے زرارہ محمد بن مسلم ابو بصیرہ جن کے نام درج ہیں، انہوں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی بلکہ ان کے بعد قریباً دو صدیوں سے لے کر تین صدیوں تک لوگوں نے ان کے نام سے روایات جمع کر کے وہ چار کتابیں تصنیف کیں جن پر اوپر بحث کی جا چکی ہے۔

پھر علامہ مجلسی نے فرمایا۔ "ان لوگوں کا اختصاص ائمہ طاہرین کے ساتھ معلوم و متحقق ہے جیسا کہ ابو حنیفہ کے ساتھ ابو یوسف اور اس کے شاگردوں کا اختصاص ہے"۔ یہ تشبیہ اور تمثیل بھی خلاف حقیقت ہے۔ امام ابو حنیفہ اور

ان کے شاگردوں کے حالات تو یہ ہیں کہ انہوں نے چالیس ماہرین فن کی ایک مجلس مذاکرہ بنائی تھی ہر آدمی ایک خاص فن میں مہارت رکھتا تھا، پھر جو نئے مسائل پیش آتے وہ قرآن و سنت اور تعامل صحابہ کی روشنی میں زیر بحث آکر طے ہوتے جب کسی نتیجے پر پہنچتے تھے تو ابو حنیفہ کے شاگردوں میں سے امام شیبانی اسے لکھ لیتے چنانچہ امام محمد شیبانی کی چھ تصانیف فقہ حنفی میں کتب ظاہر الروایتہ کے لقب سے مشہور ہوئیں اور اسی دوران تصنیف ہوئیں۔ اور ابو حنیفہ کے دوسرے شاگرد ابو یوسف نے کتاب الخراج تصنیف کی اور فقہ حنفی باقاعدہ طور پر خلفائے عباسیہ نے اپنی سلطنت میں رائج کی بلکہ اور بھی اسلامی ممالک میں فقہ حنفی رائج رہی اس کے مقابلے میں علامہ مجلسی نے جن اصحاب ائمہ کو ابو حنیفہ کے شاگردوں سے تشبیہ دی ہے انہوں نے نہ تو کوئی کتاب تصنیف کی نہ قرآن و سنت تک پہنچے بلکہ صرف امام کی بات بلکہ امام سے منسوب کر کے اپنی بات بیان کرتے رہے اور بعض والوں نے انکی روایات کو جمع کر کے فقہ جعفریہ کا نام دے دیا۔

جہاں تک اس فقہ کے رائج ہونے کا تعلق ہے تو یہ بات خواب و خیال سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

خلفائے ثلاثہ کے عہد میں وہی فقہ رائج تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الٰہی کی روشنی میں اپنے ارشادات اور صحابہ کی عملی تربیت کر کے رائج فرمائی تھی، حضرت علی نے اپنے عہد خلافت میں اس فقہ سے بال برابر بھی انحراف نہیں کیا۔ یعنی انہوں نے بھی وہی فقہ رائج رکھی جو خلفائے ثلثہ کے عہد میں رائج رہی، اگر حضرت علی کوئی نئی فقہ رائج یا نافذ کرتے چاہئے اس کا نام فقہ جعفریہ نہ ہوتا کوئی اور ہوتا یا بے نام ہوتی بلکہ ہوتی اس فقہ سے مختلف جو خلفائے ثلاثہ کے عہد میں رائج رہی تو بعد میں آنے والوں کو بھی حق پہنچتا تھا کہ اس علوی فقہ کے نفاذ

کا مطالبہ کرتے یا اسکی جدوجہد کرتے جس فقہ پر حضرت علی نے اپنا پورا عہد خلافت گزار دیا۔ آج محبان علی کو اس فقہ سے بیر کیوں ہے، یہی وہ فقہ ہے جو خلفائے عباسیہ کے عہد میں آ کر باقاعدہ فقہی ترتیب سے مدون ہو کر فقہ حنفی کے نئے نام سے اسی پرانی صورت اور اسی نبوی اصول پر رائج ہوئی پھر قریباً تمام اسلام سلطنتوں میں یہی فقہ رائج رہی اور حکومت کی طرف سے نافذ ہوتی رہی۔

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ ان رؤسا شیعہ نے ائمہ سے جو روایات منسوب کی ہیں ان سے بڑھ کر ائمہ کی توہین کی کوئی صورت تصور میں نہیں آسکتی حالانکہ ائمہ کرام اہل السنت کے عقیدہ کے اعتبار سے اور حقیقت کے لحاظ سے نہایت پاک سرشت اور ظاہراً و باطناً کتاب و سنت کے عامل کامل اولیا اللہ اور اس فقہ کے مطابق زندگی بسر کرنے والے تھے۔ جو محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ۲۳ سالہ نبوی زندگی میں صحابہ کو سکھائی اور جس پر حضورؐ نے اپنے سامنے عمل کرایا اور جس پر خلفائے راشدین حضرت علیؓ سمیت عمل کرتے رہے۔

باب النکاح

نکاح ایک ایسا معاہدہ ہے جس سے ایک مرد اور عورت کے درمیان مستقل اور عمر بھر کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں جہاں عوام کیلئے آسانیاں وہاں قانون اور حکومت کے لئے بڑی آسانیاں رکھی گئی ہیں مثلاً

(۱) فروع کافی طبع جدید ۵ : ۳۸۷

عن زرارہ بن اعین قال سئل ابو عبد اللہ علیہ السلام عن الرجل یتزوج المراۃ بغیر شہود فقال لا باس بتزویج البتۃ فیما بینہ و بین اللہ انما جعل الشہود فی تزویج البتۃ من اجل الولد لولا ذالک لم یکن بہ باس۔

زرارہ کہتا ہے امام جعفر سے ایسے آدمی کے متعلق پوچھا گیا جو گواہوں کے بغیر عورت سے نکاح کرے۔ امام نے فرمایا کوئی حرج نہیں اللہ کے نزدیک یہ نکاح صحیح ہے نکاح کے گواہ تو صرف اولاد کے لئے ہوتے ہیں اگر نکاح میں اولاد مقصود نہ ہو تو بغیر گواہ کے نکاح میں کوئی حرج نہیں۔

امام نے جائز اور ناجائز میں حد فاصل تو بتا دی کہ اولاد مقصود نہ ہو تو کوئی مرد کسی عورت سے جب چاہے تنہائی میں بغیر گواہوں کے نکاح کر سکتا ہے لیکن اس سلسلہ میں دو امور قابل غور ہیں۔

اول یہ کہ زانی اور زانیہ کا مقصد کبھی حصول اولاد بھی ہوا ہے ظاہر ہے کہ یہاں تو مقصد محض آزاد شہوت رانی ہوتا ہے۔ لہٰذا زنا نام کی کوئی چیز اگر ہو سکتی ہے تو صرف اس صورت میں کہ جب بالجبر ہو۔ ورنہ ہر زنا دراصل ایک جائز نکاح ہے۔ جس کے لئے گواہوں کی ضرورت نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ حکومت اور قانون اس کو تسلیم کرلے تو زنا کی حد جاری کرنے کا تکلف نہیں کرنا پڑے گا۔

(۲) من لا یحضرہ الفقیہ ۳ - ۲۵۱۔

عن مسلم بن بشیر عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال سالتہ عن رجل تزوج امراۃ ولم یشہد فقال اما فیما بینہ وبین اللہ عزوجل فلیس بعد شیئ ولکن ان اخذہ سلطان جائر عاقبہ

امام جعفر سے اس آدمی کے متعلق سوال ہوا جس نے کسی عورت سے گواہوں کے بغیر نکاح کرلیا تو فرمایا اس میں کیا حرج اللہ جو گواہ ہے لیکن اگر کسی ظالم حکمران نے پکڑ لیا تو سزا دے گا۔

سوال یہ ہے کہ ظالم حکمران ایسا کیوں کریگا کیا اسے فقہ جعفری یاد نہ ہوگی یا ملک میں فقہ جعفری لاگو نہ ہوگی۔ بہر حال ظالم آخر ظالم ہی ہے انصاف پسند بادشاہ تو ایسے مجاہد کو انعام دیگا کیونکہ اس نے بلاوجہ گواہوں کو تکلیف نہیں دی اور بڑی بے تکلفی سے یہ مہم خود سر کرلی۔ سلطان جائر کا کھٹکا ظاہر کرتا ہے کہ چور اندر ہے اور ضمیر کچوکے دیتا ہے کہ کتے کو بکری کا نام دیکر اطمینان سے اس کا گوشت حلق سے اتارنا مشکل ہوتا ہے

اس فیما بینہ وبین اللہ کی ایک مثال فروع کافی میں دی گئی ہے

جلد ۵۔ صفحہ ۴۶۷ میں ایک واقعہ درج ہے جس سے کئی عقدے حل ہوتے ہیں۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال جاءت امراۃ الی عمر فقالت انی زنیت فطہرنی فامر بہا ان ترجم فاخبر بذالک امیر المومنین صلوات اللہ

امام جعفر سے روایت ہے کہ ایک عورت حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور کہا میں زنا کی مرتکب ہوئی مجھے پاک کر دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا اس کی اطلاع حضرت

علیہ فقال کیف زنیت فقالت مورت بالبادیۃ فاصابنی عطش شدید فاستقیت اعرابیا فابی ان لیقینی الا ان امکنہ من نفسی فلما اجھد فی العطش وخفت علی نفسی سقانی فامکنتہ من نفسی فقال امیر المومنین ھذا انتزدیج ورب الکعبۃ

علیؓ کو ہوئی۔ انہوں نے اس عورت سے پوچھا تو نے کس طرح زنا کیا اس نے کہا میں جنگل میں تھی مجھے سخت پیاس لگی میں نے اعرابی سے پانی مانگا اس نے صرف اس شرط پر پانی دینا منظور کیا کہ میں اسے اپنے وجود پر قدرت دیدوں جب پیاس نے مجھے مجبور کر دیا۔ مجھے جان کا خطرہ ہوا تو اس نے مجھے پانی پلایا اور میں نے اسے اپنی جان پر اختیار دیدیا۔ امیر المومنین نے فرمایا رَبِ کعبہ کی قسم یہ تو نکاح ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ :۔

(۱) اس عمل اور صورت عمل کو عورت نے زنا سمجھا اور اقرار کرکے اپنے آپ کو پاک کرنے کی حضرت عمرؓ سے درخواست کی اور حضرت عمرؓ نے بھی اسے زنا قرار دے کر اس کو سزا سنادی۔

(۲) عورت اہل زبان تھی اور مسلمان تھی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت کے عام مسلمان اس صورت واقعہ کو زنا سمجھتے تھے۔

(۳) حضرت عمرؓ امیر المؤمنین تھے۔ اہل زبان تھے اہل علم تھے شریعت کے ماہر تھے اس سے ظاہر ہوا کہ شریعت اسلامی اسے زنا قرار دیتی ہے۔

(۴)۔ روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ سزا سنانے کے بعد حضرت عمرؓ نے اس عورت کو اجازت دیدی کہ جہاں چاہے چلی جائے اسی دوران حضرت علیؓ کو اس واقعے کا علم ہو گیا۔

(۵)۔ اتفاقاً اس عورت کی حضرت علیؓ سے ملاقات ہوئی یا انہوں نے خود اسے بلایا۔

بات روایت سے صاف طور پر معلوم نہیں ہوتی صرف اتنا معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت علیؓ کی اس سے بالمشافہ گفتگو ہوئی۔

(۶) حضرت علیؓ نے اسے نکاح قرار دیا جسے عرف عام اور فقہ اسلامی زنا قرار دیتی ہے

(۷) فقہ جعفریہ میں یہ نکاح ہے مگر حضرت عمرؓ کے عہد میں فقہ جعفریہ اسلامی حکومت میں رائج نہیں تھی۔

(۸) حضرت علیؓ کو سزا سے پہلے واقعہ کا علم ہو گیا مگر انہوں نے حضرت عمرؓ کو نہ تو مشورہ دیا کہ سزا کا حکم واپس لے لیں نہ فقہ جعفریہ رائج کرنیکی مہم چلائی پہلی صورت میں ان پر کتمان حق کے ارتکاب کا ثبوت ملتا ہے۔ دوسری صورت میں دین کے معاملے میں ان کی بزدلی ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ دونوں باتیں مسلمانوں کے نزدیک حضرت علیؓ کی ذات سے جوڑ نہیں کھاتیں۔

(۹) وخفت علی نفسی فستعانی فامکنتہ یہ جملہ ایک معمہ معلوم ہوتا ہے جان کا خطرہ تو عورت کو محسوس ہوا۔ اعرابی کو کیسے معلوم ہو گیا کہ اس نے پانی پلایا۔ پھر ترتیب بتاتی ہے کہ پہلے پانی پلایا۔ پھر میں نے اسے اپنی جان پر قدرت دے دی۔ پانی پی لیا۔ جان بچ گئی اب جان پر قدرت دینے کی وجہ اس کے بغیر کیا ہو سکتی ہے کہ عورت نے پاس عہد کی بناء پر یا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کے احسان کا بدلہ دیتے ہوئے اپنی جان پر قدرت دے دی۔

(۱۰) حضرت علیؓ نے جس فعل کو رب کعبہ کی قسم کھا کر نکاح قرار دیا اس میں گواہ کوئی نہیں تھے۔ لہٰذا اس کی سزا کوئی نہیں فقہ جعفریہ میں اس کا اصطلاحی نام متعہ بھی ہے۔

(۱۱) یہ جرم قابل تعزیر کیوں ہونے لگا یہ تو انتہائی اعلیٰ درجے کی عبادت ہے جیسا کہ تفسیر منہج الصادقین صفحہ ۲ : ۴۹۳ پر ہے۔

قال رسول الله من تمتع مرة درجته كدرجة الحسين ومن تمتع مرتين درجته كدرجة الحسن ومن تمتع ثلاث مرات درجته كدرجة علي ابن ابی طالب من تمتع اربعة مرات فدرجته كدرجتي

رسول خدا نے فرمایا جس نے ایک دفعہ متعہ کیا اس کا درجہ حسین رضی کے برابر ہے جس نے دو دفعہ کیا اس کا درجہ حسن رضی کے برابر ہے جس نے تین دفعہ کیا اس کا درجہ علی رضی کے برابر ہے اور جس نے چار دفعہ کیا اس کا درجہ میرے برابر ہے

(۴) تہذیب الاحکام ۷ - ۲۴۸

عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال انما جعلت البینة فی النکاح من اجل المواریث

امام جعفر نے فرمایا کہ نکاح میں گواہوں کی حاجت محض اولاد کی میراث ثابت کرنے کے لئے ہوتی ہے

روایت میں انما کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ نفس نکاح کے ساتھ گواہوں کا کوئی تعلق نہیں وہ تو محض اس لئے ہے کہ کل میراث کے معاملے میں اولاد میں جھگڑا نہ ہو لہذا جب تفریحاً نکاح کرنا ہو تو گواہوں کے تکلف میں نہیں پڑنا چاہیئے - زانی اور زانیہ کی باہمی رضامندی کافی ہے -

داخلی آزادی

(۱) سئل ابوجعفر عن رجل کانت عنده امرأة فزنی بامها او ابنتها او اختها فقال ما حرم حرام قط حلالا (۳ : ۲۶۳) من لایحضرہ الفقیہ

امام باقر سے ایک آدمی کے متعلق سوال ہوا کہ اس نے اپنی بیوی کی ماں سے یا اس کی بیٹی سے یا اس کی بہن سے زنا کیا تو کیا حکم ہے فرمایا ٹھیک ہے کوئی حرام کسی حلال کو حرام نہیں کر سکتا -

(۲) من لایحضرہ الفقیہ ۳ : ۲۶۴ امام باقر فرماتے ہیں -

وان زنی رجل بامرأة ابنه او امرأة

اگر کسی مرد نے اپنی بہو یا اپنی سوتیلی

ابیہ او بجاریتہ ابنہ او بجاریتہ ابیہ فان ذالک لا یحرمھا علی زوجھا۔

ماں سے زنا کیا یا بیٹے یا باپ کی لونڈی سے زنا کیا تو اس کا یہ فعل اس پر اسکی بیوی کو حرام نہیں کر سکتا۔

ہاں ایک پہلو میں ذرا پابندی لگا دی گئی ہے۔ فروع کافی میں اس کا ذکر متعدد مقامات پر ہے اس کے علاوہ

تہذیب الاحکام ۷: ۳۰۹، ۳۱۰

ومن فجر بغلام فاوقبہ لم تحل لہ اختہ ولا امہ ولا ابنتہ ابدا

جس شخص نے کسی لڑکے سے لواطت کی اس شخص کے لئے اس لڑکے کی بہن ماں اور بیٹی ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی

اسی تہذیب میں ہے ص ۳۱۰

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی رجل لعب بغلام ھل تحل لہ امہ قال ان کان ثقب بیہ فلا

امام جعفر سے ایک آدمی کے متعلق سوال ہوا کہ ایک لڑکے سے لواطت کی تو کیا اس کی ماں اس لوطی کے لئے حلال ہو گی فرمایا جب اس نے دخول کیا تو اس کی ماں اس پر حرام ہو گئی۔

لواطت سے انسان کا وہ پہلو متاثر ہوا جو گھریلو زندگی سے تعلق رکھتا ہے رہی اسکی قانونی اور شخصی حیثیت تو اس کے متعلق ان احکام میں کوئی وضاحت نہیں کی گئی کہ یہ کوئی گناہ کا کام ہے یا جرم لائق تعزیر ہے۔ البتہ فقہ جعفریہ میں دوسرے مقامات پر لواطت کی حیثیت بتائی گئی ہے۔ فرق الشیعہ ص ۹۳ ابو محمد الحسن بن موسیٰ نوبختی کی تصنیف ہے اس کی تعریف نور اللہ شوستری شہید ثالث نے اپنی کتاب مجالس المومنین ۱: ۲۶۱ پر خوب کی ہے۔ اس فرق الشیعہ میں ہے۔

وقالوا باباحة المحارم من الفروج
والغلمان واعتلوا فی ذالک
بقول الله تعالیٰ عزوجل او
یزوجهم ذکرانا وانا ثاً

مراد یہ ہے کہ لڑکوں سے وطی حلال ہے
اور دلیل قرآن میں ہے "یا نکاح کرتا ہے
لڑکوں اور عورتوں کے ساتھ"
او یزوجهم ذکرانا وانا ثاً کی تفسیر

جو فقہ جعفریہ کے نکتہ نگاہ سے کی گئی ہے اس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔
بہرحال یہ تو ثابت ہو گیا کہ فقہ جعفریہ میں لڑکوں سے نکاح کرنا گویا منشائے
قرآنی کے عین مطابق ہے۔

(۱) تہذیب الاحکام ۷ : ۱۵ام
سالت ابا الحسن الرضا علیہ السلام
عن اتیان الرجل المرأة من خلفها
فقال احلتها اٰیة من کتاب الله
عزوجل قول لوط ھؤلاء بناتی
ھن اطہر لکم وقد علم انهم
لا یریدون الفرج

امام موسیٰ رضا سے عورت کے ساتھ وطی فی الدبر
کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا قرآن کی آیت
نے اسے حلال قرار دیا ہے۔ حضرت لوط نے
فرمایا یہ میری بیٹیاں تمہارے لئے پاکیزہ
ہیں وہ جانتے تھے کہ قوم لوط عورتوں کے
ساتھ قبل سے وطی کرنا نہیں چاہتی تھی یعنی
وہ خلاف وضع فطرت کے عادی ہیں۔

ایضاً ۷ : ۲ام

(۲) عن عبدالله بن ابی یعفور قال
سالت ابا عبدالله علیہ السلام
عن الرجل یاتی المرأة فی دبرها
قال لا باس بہ اذا رضیت

عبداللہ بن یعفور کہتا ہے میں نے امام
جعفر سے عورت کے ساتھ وطی فی الدبر
کے بارے میں پوچھا فرمایا کوئی
حرج نہیں اگر عورت راضی ہو۔

تہذیب الاحکام ۷ : ۶۰ام
عن ابی عبدالله علیہ السلام قال

یعنی امام جعفر نے فرمایا کہ عورت ر دڑے

اذا اتى الرجل المرأة فى الدبر وهى صائمة لم ينقض صومها وليس عليها غسل

استبصار ۱: ۵۶

سے ہو (ظاہر ہے رمضان کی بات ہے) اور مرد اس کیساتھ وطی الدبر کرے تو عورت کا نہ تو روزہ ٹوٹے گا نہ اس پر غسل واجب ہے

سئل ابو عبد الله عليه السلام عن الرجل يصيب المرأة فيما دون الفرج أعليها غسل ان هو انزل ولم ينزل هى قال ليس عليها غسل وان لم ينزل هو فليس عليه غسل

امام جعفر سے پوچھا گیا جو شخص عورت سے وطی الدبر کرے کیا اس عورت پر اس صورت میں غسل واجب ہے کہ مرد کو انزال ہوا عورت کو نہیں ہوا فرمایا عورت پر غسل نہیں اور مرد کو انزال نہ ہو تو مرد پر بھی غسل نہیں ۔

حرمت مصاہرت

من لا يحضره الفقيه ۳: ۲۶۳

ان الرجل اذا تزوج المرأة فزنى قبل ان يدخل بها لم تحل له لانه زان ويفرق بينهما

ایک مرد نے عورت سے نکاح کیا مگر اس سے پیشتر اس سے زنا کر چکا تھا نکاح کے باوجود بھی وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی ان دونوں میں تفریق کی جائے

گزشتہ اوراق میں یہ تو گذر چکا ہے کہ بیوی کی ماں بہن وغیرہ سے زنا کرنے سے نکاح میں کوئی فرق نہیں پڑتا ۔ آخر حرمت کی کوئی صورت تو ہونی ہی چاہیئے فقہ کی خانہ پری بھی تو ضروری ہے ۔ چنانچہ وہ صورت بھی بتادی اگر کسی عورت سے زنا کیا ہے تو پھر اس سے نکاح نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی سینہ زوری سے کر ہی لے تو ان میں تفریق کر دی جائے

من لا يحضره الفقيه ۳: ۲۶۰

عن ابی جعفر علیہ السلام قال لاتنکح بنت الاخ ولا ابنت الاخت علی عمتها وخالتها الا باذنهما وتنکح العمة والخالة علی ابنت الاخ وابنة الاخت بغیر اذنهما۔

امام باقر فرماتے ہیں بھتیجی کو پھوپھی پر نکاح میں نہ لایا جائے اور بھانجی کو اسکی خالہ پر سوائے انکی اجازت کے اور پھوپھی بھتیجی پر نکاح میں آسکتی ہے اسی طرح خالہ بھانجی بغیر انکی اجازت کے نکاح میں آسکتی ہے۔

فروع کافی ۵ ، ۴۲۵ پر امام باقر کا یہی فیصلہ درج ہے اسی طرح تہذیب الاحکام ۷ : ۳۳۳ یہی فیصلہ ملتا ہے۔

ایک اور آسانی

تہذیب الاحکام ۷ : ۲۴۲

(۱) عن محمد بن مسلم عن ابی جعفر علیہ السلام قال قلت له الرجل یحل لاخیه جاریته قال نعم لا بأس به له ما احل له منها۔

میں نے امام باقر سے ایک آدمی کے متعلق پوچھا جو اپنی لونڈی اپنے بھائی کیلئے حلال کر دیتا ہے فرمایا کوئی حرج نہیں اس نے بھائی کے لئے جو چیز حلال کی وہ حلال ہوگی۔

(۲) عن ابی بصیر قال سألت ابا عبد اللہ علیہ السلام عن امرأة احلت لابنها فرج جاریتها قال هو حلال له قلت افیحل له ثمنها قال لا انما یحل له ما احلت له

میں نے امام جعفر سے پوچھا کیا ایک عورت اپنی لونڈی کو اپنے بیٹے کے لئے حلال کر سکتی ہے، فرمایا وہ اس کے لئے حلال ہے۔ میں نے پوچھا اگر وہ لڑکا اگر لونڈی کو فروخت کر دے تو رقم اس کے لئے حلال ہوگی فرمایا نہیں صرف وطی اس کیلئے حلال ہوگی۔

ایضاً

(۳) تہذیب الاحکام ۷ : ۲۴۴

سأل رجل ابا عبد اللہ علیہ السلام

امام جعفر سے پوچھا گیا کہ عاریتہً کسی سے وطی کی جا سکتی ہے فرمایا حرام ہے پھر تھوڑی

وعنه عنه عن عارية الفرج فقال حرام ثم مكث قليلا ثم قال لكن لا بأس بان يحل الرجل جاريته لاخيه .

دیر کے بعد فرمایا لیکن اس میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی آدمی اپنی لونڈی کی شرمگاہ عاریتہً اپنے بھائی کے لئے حلال کر دے ۔

اس سے بھی بڑی آسانی

۲۵۸ (۱) عن ابی بصیر قال سئل ابو عبد اللہ علیہ السلام عن المتعۃ اھی من الاربع فقال لا ولا من السبعین

امام جعفر سے پوچھا گیا کیا متعہ کی تعداد چار میں شامل ہے فرمایا چار کیا ستر سے بھی زیادہ کے ساتھ متعہ کر سکتا ہے ۔

۲۵۹ (۲) عن زرارۃ عن ابیہ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام ذکر لہ المتعۃ اھی من الاربع قال تزوج منھن الفا فانھن مستاجرات ۔

امام جعفر سے پوچھا گیا کیا متعہ کی تعداد چار میں شامل ہے ۔ فرمایا چاہے ایک ہزار سے متعہ کر کیونکہ یہ تو اجرت کا معاملہ ہے ۔

تہذیب الاحکام ۷ : ۲۶۳ ابو سعید احول سے روایت ہے ۔

قال قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام ادنی ما یتزوج بہ المتعۃ قال کف من بر

میں نے امام جعفر سے پوچھا متعہ کرنے والا کم سے کم کتنی اجرت ادا کرے فرمایا ایک مٹھی بھر گندم کافی ہے ۔

تہذیب الاحکام ۷ : ۲۶۷

سألت ابا عبد اللہ علیہ السلام عن الرجل یتزوج علی عود واحد

میں نے امام جعفر سے ایک مرد کے متعلق پوچھا جو جلانے کی ایک لکڑی کے عوض متعہ کرے

قال لا بأس ولكن اذا فرغ فليحول ولا ينظر۔

فرمایا کوئی حرج نہیں لیکن جب فارغ ہو تو مڑ کر اس عورت کی طرف نہ دیکھے۔

اسلام میں نکاح کے لئے جانبین کا مسلمان ہونا شرط ہے اور فقہ اسلامی میں تمدنی تقاضوں کے پیش نظر کفو کا بھی خیال رکھا جاتا ہے اس طرح انتخاب کا دائرہ لازماً محدود ہو جاتا ہے، فقہ جعفریہ میں نکاح متعہ کیلئے تمام حدود ختم کر دی گئی ہیں تاکہ فقہ جعفریہ کے متوالوں کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہنے پائے۔

محمد بن سنان نے امام موسیٰ رضا سے پوچھا۔

سألته عن نكاح اليهودية والنصرانية فقال لا بأس فقلت فمجوسية فقال لا بأس به يعني متعة ۷: ۲۵۶

میں نے نصرانی اور یہودی عورت سے متعہ کرنے کے متعلق پوچھا فرمایا کوئی حرج نہیں پھر میں نے مجوسی عورت کے متعلق پوچھا فرمایا کوئی حرج نہیں۔

بلکہ اس سے زیادہ آزادی کی ایک اور صورت بتائی۔

تہذیب الاحکام ۷: ۲۵۳

(۱) متى اراد الرجل تزويج المتعة فليس عليه التفتيش عنها بل يصدقها في قولها۔

جب آدمی متعہ کرنا چاہے تو عورت کے متعلق تفتیش نہ کرے کون ہے کیسی ہے بلکہ جو کچھ وہ کہے اسے سچ سمجھے۔

(۲) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قلت انی تزوجت امرأة متعة فوقع في نفسي ان لها زوجا ففتشت عن ذالك فوجدت لها زوجا فقال (ای امام) ...... ولم فتشت۔

راوی کہتا ہے میں نے امام جعفر سے عرض کیا میں نے ایک عورت سے متعہ کیا میرے دل میں خیال آیا کہ یہ شادی شدہ ہے میں نے اس سے پوچھا تو واقعی اس کا خاوند تھا تو امام نے فرمایا کہ تو نے یہ تفتیش کیوں کی۔

نکاح کے معاملے میں صرف ایک پابندی

یوں تو نکاح کے معاملے میں انتخاب کے سلسلے میں فقہ جعفریہ میں بڑی وسعت نظر سے کام لیا گیا ہے مگر ایک پہلو میں سخت پابندی لگا دی گئی ہے، مثلاً

(۱) فروع کافی ۵: ۳۴۸، ۳۴۹ طبع تہران

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال لا یتزوج المؤمن الناصبة المعروفة بذالك

امام جعفر نے فرمایا کوئی مومن مرد کسی ایسی عورت سے نکاح نہ کرے جو سنی ہونے کی حیثیت سے جانی پہچانی ہو۔

(۲) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال له الفضیل اتزوج الناصبة قال لا۔

فضیل نے امام جعفر سے پوچھا کیا میں سنی عورت سے نکاح کر لوں فرمایا نہیں۔

(۳) عن عبد اللہ بن سنان قال سألت ابا عبد اللہ عن الناصب الذی قد عرف نصبه وعداوته هل تزوجه المؤمنة وهو قادر علی رده وهو یعلم برده قال لا یتزوج المؤمن الناصبة ولا یتزوج الناصب المؤمنة ولا یتزوج المستضعف المؤمنة۔

عبد اللہ بن سنان کہتا ہے میں نے امام جعفر سے پوچھا جو مرد سنی ہونے میں مشہور ہو گیا وہ شیعہ عورت سے نکاح کر سکتا ہے حالانکہ شیعہ عورت کے وارث رد کرنے پر قادر ہیں اور رد کا علم بھی ہے۔ فرمایا کوئی شیعہ مرد سنی عورت سے نکاح نہیں کر سکتا اور نہ سنی مرد شیعہ عورت سے نکاح کر سکتا ہے اور کمزور سنی بھی شیعہ عورت سے نکاح نہیں کر سکتا۔

(۴) ایضاً ص ۳۵۰

عن الفضیل بن یسار قال سألت ابا عبد اللہ علیہ السلام عن نکاح الناصب فقال لا واللہ ما یحل۔

فضیل کہتا ہے میں نے امام جعفر سے پوچھا کہ سنی مرد شیعہ عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ فرمایا نہیں خدا کی قسم شیعہ عورت سنی کیلئے حلال نہیں۔

(۵) ایضاً ص ۳۵۱

عن عبد اللہ بن سنان عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال سالہ ابی و انا اسمع عن نکاح الیھودیۃ والنصرانیۃ فقال نکاحھما احب الی من نکاح ناصبیۃ۔

عبد اللہ بن سنان کے والد نے امام جعفر سے پوچھا وہ کہتا ہے میں سن رہا تھا کہ یہودی یا نصرانی عورت سے نکاح کیسا ہے فرمایا مجھے سنی عورت کے مقابلے میں یہودی یا نصرانی عورت سے نکاح زیادہ محبوب ہے

روایت ۱، ۳ انہی الفاظ کے ساتھ استبصار ۳ : ۹۹ پر درج ہے۔

(۶) من لا یحضرہ الفقیہ ۳ : ۲۵۸ باب النکاح

لا ینبغی للرجل المسلم منکم ان یتزوج الناصبۃ ولا یتزوج ابنتہ ناصبیا ولا یطرحھا عندہ قال مصنف ھذا الکتاب من نصب حربا لآل محمد علیہ السلام فلا نصیب لھم فی الاسلام فلذالک حرم نکاحھم

کسی مسلمان مرد کے لئے جائز نہیں کہ وہ سنی عورت سے نکاح کرے اور شیعہ مرد اپنی بیٹی کسی سنی مرد کو نہ دے۔ اگر نکاح ہو چکا ہے تو سنی کے پاس مت رہنے دے جس شخص نے آل محمد کی مخالفت کی (جیسا سنی کرتے ہیں) اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں اس وجہ سے ان سے نکاح حرام ہے۔

(۷) تہذیب الاحکام ۷ : ۳۰۲

قال الشیخ رحمہ اللہ ولا یجوز نکاح

شیخ نے فرمایا کسی شیعہ مرد کا نکاح سنی عورت

الناصبة المظهرة لعداوة آل محمد علیہ السلام یدل علی ذلک ماثبت من کون هؤلاء کفارا بادلة لیس هذا موضع شرحها واذا ثبت کفرهم فلا یجوز مناکحتهم۔

سے جائز نہیں جس سے عداوت آل محمد ظاہر ہوتی ہو۔ یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے جو ثابت ہو چکا ہے کہ سنی کافر ہیں یہ ان دلائل کے بیان کرنے کا موقع نہیں جو سنیوں کے کفر پر دال ہیں۔ جب ان کا کفر ثابت ہے تو ان سے نکاح حرام ہے۔

(۸) تہذیب الاحکام ۷ : ۳۰۳

عن الفضیل بن یسار قال سالت ابا جعفر علیہ السلام عن المرأة العارفة هل ازوجها۔ قال لا لان الناصب کافر۔

فضیل کہتا ہے میں نے امام باقر سے پوچھا کیا میں سنی عورت سے نکاح کر لوں۔ فرمایا بالکل نہیں۔ کیونکہ ناصبی کافر ہے۔

ایضاً۔ ۷ : ۳۰۲

(۹) عن ابی جعفر علیہ السلام قال ذکر الناصب فقال لا تناکحهم ولا تاکل ذبیحتهم ولا تسکن معهم

امام باقر کے سامنے ناصبی کا ذکر ہوا تو فرمایا ان سے نہ نکاح کرو نہ ان کا ذبیحہ کھاؤ نہ ان کے ساتھ رہائش اختیار کرو۔

(۱۰) اللمعۃ الدمشقیہ ۵ : ۲۳۴، ۳۵، ۳۶ - مسئلہ کفاءت

فهی معتبرة فی النکاح فلا یجوز للمسلمة مطلقا التزویج بالکافر وهو موضع وفاق ولا یجوز للناصب التزویج بالمومنة لان الناصبی شر من الیهودی والنصرانی علی ماروی فی اخبار اهل البیت علیهم

نکاح میں کفو معتبر ہے۔ تو مسلمان عورت کے لئے کسی کافر مرد سے نکاح کرنا مطلق حرام ہے اور یہ ایک اتفاقی مسئلہ ہے اسی طرح سنی مرد سے شیعہ عورت کا نکاح حرام ہے کیونکہ ناصبی یعنی سنی یہودی اور نصرانی سے بھی برا ہے جیسا کہ اہل بیت کی احادیث میں ہے

السلام وکذا العکس ای وھو تزویج المؤمن بالناصبۃ سواء الدائم او المتعۃ۔

اسی طرح شیعہ مرد کا نکاح سنی عورت سے بھی حرام ہے خواہ دائمی ہو یا متعہ ہو۔

(۱۱) ایضاً ۵ : ۲۳۴

عن عبد اللہ بن یعفور عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال وایاک ان تغتسل من غسالۃ الحمام و فیھا تجتمع غسالۃ الیھودی والنصرانی والمجوس والناصب لنا اھل البیت فھو شرھم فان اللہ تعالیٰ لم یخلق خلقا انجس من الکلب وان الناصب لنا اھل البیت لانجس منہ۔

عبد اللہ بن یعفور امام جعفر سے بیان کرتا ہے کہ فرمایا حمام کے غسالہ میں غسل نہ کرنا کہ اس میں یہودی، نصرانی مجوسی اور ناصبی یعنی سنی کا غسالہ جمع ہوتا ہے ان سب سے ناصبی زیادہ برا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کتے سے نجس کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ مگر سنی تو کتے سے بھی زیادہ پلید ہے۔

فروع کافی، کتاب الوسائل، جامع عباسی، الروضۃ البھیہ میں یہی فتاویٰ درج ہیں۔

ان تمام روایات اور فتاویٰ کا خلاصہ یہ ہے شیعہ مرد کا سنی عورت کے ساتھ اور شیعہ عورت کا سنی مرد کے ساتھ نکاح حرام ہے یہ کسی طرح ہم کفو نہیں ہو سکتے۔ اور سنی بدترین مخلوق ہے یہ فقہ جعفریہ کا اتفاقی اور اجماعی مسئلہ ہے۔

اس ساری بحث میں جس گروہ کو بغض و عداوت کا نشانہ بنایا گیا ہے اس کے لئے ناصبی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس لئے اس لفظ کے اس مفہوم کی تعین ضروری ہے جو فقہ جعفریہ میں کی گئی ہے۔

انوار النعمانیہ ۱ : ۲۸۵

ولعلك تقول ان مخالفينا يزعمون انهم لا يبغضون عليا وهذا زعم باطل وقد روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان علامۃ بغض علی تقدیم غیرہ علیہ وتفضیلہ علیہ۔

شاید تم کہو کہ ہمارے مخالف سمجھتے ہیں کہ وہ حضرت علیؓ کو بُرا نہیں جانتے۔ یہ خیال باطل ہے، کیونکہ نبیؐ کریم نے حضرت علیؓ سے بغض کی علامت یہ بتائی ہے کہ حضرت علیؓ پر کسی کو نضیلت دی جائے اور ان سے کسی کو مقدم سمجھا جائے (خلافت میں)

استبصار ۱: ۱۰

عن الصادق علیہ السلام انہ لیس الناصب من نصب لنا اھل البیت فانہ لا تجد ولا یقول انا ابغض محمد وآل محمد ولکن الناصب من نصب لکم وھو یعلم انکم تولونا وانتم شیعتنا۔

امام جعفر فرماتے ہیں ناصبی وہ نہیں جو ہم اہل بیت کی مخالفت کرے کیونکہ ایسا آدمی کوئی نہیں ملے گا جو کہے میں محمدؐ اور آل محمد سے بغض رکھتا ہوں بلکہ ناصبی وہ ہے جو تمہاری مخالفت کرے یہ جانتے ہوئے کہ تم ہمیں دوست رکھتے ہو اور ہمارے شیعہ ہو۔

حق الیقین ص ۶۸۸ - ملا باقر مجلسی بیان کرتا ہے۔

"ابن ادریس نے کتاب سرائر میں کتاب مسائل محمد بن علی بن عیسیٰ سے روایت کی ہے کہ لوگوں نے حضرت علی نقی کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ ہم ناصبی کے جاننے اور پہچاننے کے اس سے زیادہ محتاج ہیں کہ حضرت امیر المؤمنین پر ابوبکرؓ و عمرؓ کو مقدم جانے اور ان دونوں کی امامت کا اعتقاد رکھے حضرت نے جواب میں میں فرمایا۔ سو جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے وہ ناصبی ہے۔"

السلام وكذا العكس اى وهو تزويج المؤمن بالناصبة سواء الدائم او المتعة۔

اسی طرح شیعہ مرد کا نکاح سنی عورت سے بھی حرام ہے خواہ دائمی ہو یا متعہ ہو۔

(۱۱) ایضاً ۵ : ۲۳۴

عن عبد الله بن يعفور عن ابى عبد الله عليه السلام قال واياك ان تغتسل من غسالة الحمام وفيها تجتمع غسالة اليهودى والنصرانى والمجوس والناصب لنا اهل البيت فهو شرهم فان الله تعالىٰ لم يخلق خلقا انجس من الكلب وان الناصب لنا اهل البيت لانجس منه۔

عبد اللہ بن یعفور امام جعفر سے بیان کرتا ہے کہ فرمایا حمام کے غسالہ میں غسل نہ کرنا کہ اس میں یہودی، نصرانی مجوسی اور ناصبی یعنی سنی کا غسالہ جمع ہوتا ہے ان سب سے ناصبی زیادہ بُرا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے کتے سے نجس کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ مگر سنی تو کتے سے بھی زیادہ پلید ہے۔

فروع کافی، کتاب الوسائل، جامع عباسی، الروضۃ البھیہ میں یہی فتاوی درج ہیں۔

ان تمام روایات اور فتاویٰ کا خلاصہ یہ ہے شیعہ مرد کا سنی عورت کے ساتھ اور شیعہ عورت کا سنی مرد کے ساتھ نکاح حرام ہے یہ کسی طرح ہم کفو نہیں ہو سکتے۔ اور سنی بدترین مخلوق ہے یہ فقہ جعفریہ کا اتفاقی اور اجماعی مسئلہ ہے۔

اس ساری بحث میں جس گروہ کو بغض وعداوت کا نشانہ بنایا گیا ہے اس کے لئے ناصبی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس لئے اس لفظ کے اس مفہوم کی تعین ضروری ہے جو فقہ جعفریہ میں کی گئی ہے۔

انوار النعمانیہ ۱ : ۲۸۵

ولعلك تقول ان مخالفينا يزعمون انهم لا يبغضون عليا وهذا زعم باطل وقد روی عن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ان علامۃ بغض علی تقدیم غیرہ علیہ وتفضیلہ علیہ۔

شاید تم کہو کہ ہمارے مخالف سمجھتے ہیں کہ وہ حضرت علیؓ کو بُرا نہیں جانتے ۔ یہ خیال باطل ہے ، کیونکہ نبیؐ کریم نے حضرت علیؓ سے بغض کی علامت یہ بتائی ہے کہ حضرت علیؓ پر کسی کو فضیلت دی جائے اور ان سے کسی کو مقدم سمجھا جائے (خلافت میں)

استبصار ۱ : ۱۰

عن الصادق علیہ السلام انہ لیس الناصب من نصب لنا اهل البیت فانہ لا تجدو لا یقول انا ابغض محمد وآل محمد ولکن الناصب من نصب لکم وھو یعلم انکم تولونا وانتم شیعتنا۔

امام جعفر فرماتے ہیں ناصبی وہ نہیں جو ہم اہل بیت کی مخالفت کرے کیونکہ ایسا آدمی کوئی نہیں ملے گا جو کہے میں محمدؐ اور آل محمد سے بغض رکھتا ہوں بلکہ ناصبی وہ ہے جو تمہاری مخالفت کرے یہ جانتے ہوئے کہ تم ہمیں دوست رکھتے ہو اور ہمارے شیعہ ہو۔

حق الیقین ص ۶۸۸ - ملا باقر مجلسی بیان کرتا ہے۔

" ابن ادریس نے کتاب سرائر میں کتاب مسائل محمد بن علی بن عیسیٰ سے روایت کی ہے کہ لوگوں نے حضرت علی نقی کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ ہم ناصبی کے جاننے اور پہچاننے کے اس سے زیادہ محتاج ہیں کہ حضرت امیر المؤمنین پر ابو بکرؓ و عمرؓ کو مقدم جانے اور ان دونوں کی امامت کا اعتقاد رکھے حضرت نے جواب میں میں فرمایا۔ سو جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے وہ ناصبی ہے "

حکومت وقت کو اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے لئے برہنگی، عریانی اور بے حیائی کو روکنے کے لئے احکام نافذ کرنے پڑتے ہیں انگریز کے قانون میں بھی گونا گاں سی ایسی دفعات موجود ہیں جن کی رو سے عریانی اور فحاشی کو قابل مواخذہ جرم قرار دیا گیا ہے لیکن فقہ جعفریہ کی رو سے ایسی حرکات پر مواخذہ ممکن ہی نہیں میں اس سلسلے میں چند روایات پیش کرتا ہوں ان کی تشریح قاری پر چھوڑتا ہوں۔

باب ستر عورت

یہ امر بنیادی انسانی اخلاق میں داخل ہے کہ انسان کے جسم کے بعض حصے ایسے ہیں کہ انہیں ہر حال میں دوسروں سے مستور رکھنا چاہیئے بشرطیکہ انسان ترقیٔ معکوس کرتے کرتے اس منزل پر نہ پہنچ جائے جہاں جانوروں کی مماثلت پیدا کر کے اپنے لئے بس لباس عریانی ہی کافی سمجھے بلکہ نیوڈ کلب بنا کر اسے ایک تنظیم اور تہذیب کا معراج سمجھنے لگے۔

پھر تمام مذاہب میں عبادات کے سلسلہ میں جسم کے کچھ حصے پوشیدہ رکھنے کی تلقین کی جاتی ہے جسے فقہ کی اصطلاح میں ستر عورت کہتے ہیں اسلام میں مردوں کے لئے وہ حدود اور ہیں اور عورتوں کے لئے اور۔ مگر ان دونوں میں کافی پابندی اور تکلف کو دخل ہے اس کے برعکس فقہ جعفری میں اس سلسلے میں اتنی آسانیاں ہیں کہ مغربی تہذیب جہاں تک جی چاہے ترقی کر جائے وہاں نہیں پہنچ سکتی۔

(۱) فروغ کافی ۶ : ۵۰۱، ۵۰۳ طبع جدید طہران۔

عن ابن الحسن علیہ السلام قال العورۃ
عورتان القبل والدبر فاما الدبر
مستور بالالیتین فاذا استرت
القضیب والبیضتین استرت
العورۃ وفی روایۃ اخری واما الدبر
فقد سترتہ الالیتان واما القبل
فاسترہ بیدک

امام ابوالحسن فرماتے ہیں ڈھانپنے کے لائق
صرف دو حصۂ جسم ہیں قبل اور دبر پھر
دُبر تو سرین کے درمیان خود قدرتی
ڈھکی ہوئی ہے۔ اس لئے جب تم نے
قبل (آلۂ تناسل اور خصیتین) کو ڈھانپ
لیا تو ستر عورت کر لیا۔ دوسری روایت
میں کہ دبر کو سرین نے ڈھانپ رکھا
ہے۔ رہ گیا قبل تو اس کو ہاتھ سے
ڈھانپ لے۔

فروع کافی ۶ : ۵۰۲

ان ابا جعفر علیہ السلام کان یقول
من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر
فلا یدخل الحمام الا بمئزر قال
فدخل ذات یوم الحمام فتنور
فلما اطبقت النورۃ علی بدنہ
القی المئزر فقال لہ مولی لہ
بابی انت تؤصینا بالمئزر ولزومہ
وقد القیتہ فقال اما علمت ان النورۃ قد
اطبقت العورۃ۔

امام باقر نے فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اللہ
اور آخرت پر یقین رکھتا ہے وہ حمام میں کپڑا
باندھے بغیر داخل نہ ہو۔ راوی کہتا ہے کہ
ایک روز آپ حمام میں داخل ہوئے اپنے
بدن پر چونا لگایا جب سارے بدن پر
مل لیا تو چادر کمر سے اتار کر پھینک دی
غلام نے کہا قربان جاؤں آپ ہمیں تاکید
فرماتے تھے حمام میں کپڑا باندھے بغیر نہ داخل
ہو آپ نے اپنی چادر ہی اتار پھینکی فرمایا
کہ تم نہیں جانتے کہ شرم گاہ کو چونا لے

چھپا لیا۔ ستر عورت تو ہو گیا اب
چادر کے تکلف کی کیا ضرورت باقی رہ گئی

من لا یحضرہ الفقیہ ۱ : ۶۵ طبع جدید تہران میں تفصیل دی ہے کہ امام جعفر حمام میں چونہ کا طلا کرتے تھے اسی طرح امام باقر کا فعل درج ہے کہ حمام میں بدن پر چونا کا طلا کرتے تھے جب عضو مخصوص پر طلا کر لیتے تو غلام کو بلا لیتے۔ ایک دن اس نے کہا۔

فقلت له یوما من الایام الذی تکرہ ان اراہ قد رأیته قال کلا ان النورة سترة۔

ایک دن میں نے کہا جن اندام کا دیکھنا میرے لئے جائز نہیں وہ تو میں دیکھ لیتا ہوں تو امام نے فرمایا کہ ہرگز نہیں کیونکہ چونا ستر عورت ہے۔

(۱) فروع کافی ۶ : ۵۰۱ طبع جدید تہران۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال النظر الی عورة من لیس بمسلم مثل نظرک الی عورة الحمار۔

امام جعفر فرماتے ہیں کہ غیر مسلم کی شرمگاہ کو دیکھنا ایسا ہے جیسا گدھے کی شرمگاہ کو دیکھنا۔

(۲) من لا یحضرہ الفقیہ ۱ : ۶۳ طبع جدید تہران۔

عن الصادق علیہ السلام انہ قال انما کرہ النظر الی عورة المسلم واما النظر الی عورة من لیس بمسلم مثل النظر الی عورة الحمار۔

امام جعفر فرماتے ہیں کہ مسلم کا ستر عورت دیکھنا مکروہ ہے جو غیر مسلم ہے۔ یعنی غیر شیعہ ہے اس کی شرمگاہ دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے گدھے کی شرمگاہ دیکھنا۔

باب الحدود

سزا کے فلسفہ پر بحث کرتے ہوئے ماہرین فن اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ سزا کا مقصد نہیں ہوتا بلکہ اصلاح ہوتا ہے، پھر ہر اصلاح کے دو پہلو ہیں اول یہ کہ بلاواسطہ مجرم کی اصلاح ہوتی رہے اور بالواسطہ معاشرہ کی دوم کہ اگر جرم ایسا سنگین ہو کہ مجرم کا وجود ہی سراپا جرم بن جائے تو معاشرہ کو مجرم کے وجود سے ہی پاک کر دیا جاتا ہے اور بالواسطہ یہ اقدام معاشرہ سے اس جرم کے استیصال کا ذریعہ بنتا ہے۔

شریعت اسلامی نے جرائم کی دو قسمیں تسلیم کی ہیں اول ایسے جرائم جن کی سزا خود خالق انسان نے مقرر کر دی ہے ایسی سزاؤں کو حدود کہتے ہیں اور خدا کی مقرر کی ہوئی سزا میں کمی بیشی یا ترمیم کی اجازت کسی کو نہیں۔

دوم ایسے جرائم جن کی سزا حکومت تجویز کرتی ہے ایسی سزاؤں کو تعزیر کہتے ہیں۔

جہاں تک حدود کا تعلق ہے شریعت اسلامیہ میں زنا کی سزا سنگسار کرنا یا سو درے لگانا ہے اور چوری کی سزا قطع ید ہے۔ یہ سزائیں جہاں کتاب اللہ میں بیان ہوئیں، وہاں نبی کریم نے عملاً یہ سزائیں دے کر ایک مثالی معاشرہ کی بنیاد رکھی پھر خلافت راشدہ میں حضورؐ کے پیش کردہ نمونے پر عمل ہوتا رہا۔ پھر جہاں کہیں بھی صحیح معنوں میں اسلامی حکومت رہی ان حدود کی پابندی برابر ہوتی رہی۔

فقہ جعفریہ کے مطالعے سے اسکی ایک مخصوص خوبی کے لئے با آسانی واضح طور پر سامنے

آتی ہے۔ وہ یہ کہ جہاں خدا کی مقرر کی ہوئی سزا کو نہیں چھیڑا گیا وہاں جرم کے بارے میں ایسی آسانیاں پیدا کر دی ہیں کہ جرم بھی ہوتا رہے مگر حد بھی جاری نہ ہو سکے اور جہاں جرم کو نہیں چھیڑا گیا وہاں سزا میں ایسی نرمی اختیار کی گئی ہے اور ایسی صورتیں پیدا کر لی گئی ہیں کہ سزا بھی ہلکی رہے۔

اب ہم ان دونوں خوبیوں یا خامیوں کی وضاحت کرتے ہیں۔

زنا کی حد

شریعت اسلامیہ میں زنا کی حد سنگسار کرنے یا سو درے لگانا ہے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً یہ حد نافذ کر کے اس جرم کے گھناؤنے پن اور معاشرہ کی اصلاح کی صورت بتا دی۔ کہ ایسے شخص کا وجود انسانیت کے چہرے پر کلنک کا ٹیکہ ہے لہذا یہ زمین کی سطح پر متحرک نظر نہ آئے بلکہ نہایت ذلت سے زیر زمین دبا دیا جائے۔ دوسری صورت میں ہر کوڑہ جو سر عام اس کے جسم پر پڑے گا معاشرے کے اندر سے اس جرم کے جراثیم کا قلع قمع کرتا جائے گا۔

فقہ جعفریہ میں اس سزا کو نہیں چھیڑا گیا مگر اس جرم کو جرم رہنے ہی نہیں دیا۔

مثلاً

(۱) باب النکاح میں فروع کافی ۵، ۳۸ کے حوالے سے بیان ہو چکا ہے کہ جب اولاد مقصود نہ ہو تو نکاح کے لئے گواہوں کی ضرورت نہیں۔ ظاہر ہے زنا کار دل کو اولاد سے کہاں دلچسپی ہوتی ہے لہذا فقہ جعفریہ نے لائسنس دیدیا کہ جہاں ایک منچلا جوڑا جنسی بھوک مٹانا چاہے آپس میں ایجاب قبول کر لے۔ نکاح ہو گیا۔

اب کوئی بتائے کہ جب یہ نکاح ہے تو زنا کسے کہیں گے۔ جب کسی فعل پر زنا

کا اطلاق نہیں ہوگا تو اس پر حد کیسے جاری ہوگی۔

(۲) اسی باب میں سر ع کافی ۲ : ۱۹۸ سے ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک عرب عورت نے زنا کا اقرار کیا اور امیر المومنین عمر فاروق نے اس پر حد جاری کی۔ یعنی اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا مگر فقہ جعفریہ کا کہنا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا یہ تو نکاح ہے۔ ظاہر ہے کہ جس فعل کو عرف عام میں زنا کہا گیا اور جس فعل کی سزا شریعت اسلامیہ کے تحت خلیفہ راشد نے سنگسار کرنا مقرر فرمایا وہ فعل فقہ جعفریہ کے نزدیک نکاح ہے زنا نہیں۔

باب النکاح اور حرمت مصاہرت کے باب میں پیش کردہ حوالہ جات روایات اور احکام کو سامنے رکھتے ہوئے یہ سوچنا پڑتا ہے کہ فقہ جعفریہ کے نفاذ کی صورت میں زنا کی حد کا نفاذ کیونکر ممکن ہوگا۔

حد سرقہ

دوسری صورت جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ فقہ جعفریہ میں جہاں جرم کو نہیں چھیڑا گیا وہاں سزا کو ایسا پرکشش بنایا گیا کہ ع

خود بخود زنجیر کی جانب کھچا جاتا ہے دل

سرقہ کے جرم پر ذرا تفصیلی بحث کرتے ہیں۔

قال تعالیٰ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ چوری کرنے والا مرد ہو یا عورت ان کے فَاقْطَعُوا اَیْدِیَهُمَا جَزَاءً بِمَا کَسَبَا ہاتھ کاٹو یہ ان کے کئے کی سزا ہے۔ نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ۔

اس آیت کے مجمل ہونے میں شیعہ سنی متفق ہیں۔ اس لئے اپنے اجمال کے بیان میں رسول کریم کی طرف سے وضاحت کی محتاج ہے، اجمال کئی طرح ہے۔ مثلاً دایاں ہاتھ کاٹا جائے یا بایاں، پھر جو بھی کاٹا جائے کہاں سے کاٹا جائے کیونکہ مقاطع ید تین ہیں، رسغ، مرفق، کتف، یہ جوڑ ہیں، مفصل کہلاتے ہیں۔ جہاں انگلیاں جاکر ہتھیلی کے ساتھ ملتی ہیں اس کو مفصل نہیں بلکہ مشط کہتے ہیں۔

اب یہ ثابت کرنا ہے کہ نبی کریمؐ نے اس آیت کی قولی یا عملی تفسیر کیا فرمائی اور خلفائے اربعہ کے زمانے میں اس آیت پر کیوں کر عمل ہوتا رہا۔ اس میں بھی قول وفعل رسول مقدم ہے اور معیار حق ہے۔ اگر قول وفعل رسول کے خلاف کسی کا قول پایا گیا تو وہ قابل حجت نہیں ہو سکتا اگر کہیں اختلاف کا سراغ ملے تو اسکی شرعی صورت یہی ہے کہ اول تو ان میں تطبیق پیدا کی جائے اگر نہ ہو تو تاویل کی جائیگی اگر اسکی بھی گنجائش نہیں تو فرمان رسول پر عمل ہوگا۔

اب اس اجمال کی تفصیل دی جاتی ہے۔

(۱) تبیین الحقائق ص ۲۲۴ علامہ زیلعی

ان الید ذات مقاطع ثلاثة وهی الرسغ والمرفق والمنکب وکل فیها یحتمل ان یکون مرادا فزال الاحتمال ببیان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیث امر بقطع الید الیمنی من الزند ولان مفصل الزند من الرسغ یتیقن به لکونه اقل فیؤخذ به لان العقوبات لا تثبت بالشبهة وفیما زاد علی الرسغ مشتبهة فلا تثبت وانما کان مفصل الزند مرادا ببیان النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ہاتھ کاٹنے کی تین جگہیں ہیں۔ رسغ مرفق اور منکب ان سب کا احتمال ہے مگر نبی کریم ﷺ کے بیان سے احتمال جاتا رہا کہ حضورؐ نے زند سے دایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ زند کا مفصل یا جوڑ رسغ ہے یہی یقینی ہے کیونکہ مقاطع ثلاثہ میں سے کم سے کم مفصل یہی ہے دوسروں میں شبہ ہے اور عقوبات شبہ سے ثابت نہیں ہوتیں جو رسغ سے زائد ہے وہ شبہ میں ہے۔

(۲) تفسیر کنز العرفان ۔ ۲ : ۳۴۸ شیخ مقداد

فان الآیة مشتملة علی احکام کلها مجملة تفتقر الی بیان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لقوله تعالیٰ لتبین للناس ما نزل الیهم۔

آیت تمام احکام پر مشتمل ہے مجمل طور پر جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کی محتاج ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے آپکو حکم دیا کہ قرآن کی وضاحت کریں۔

(۳) تفسیر مجمع البیان ۔ ۳ : ۱۹۱

وقال العلماء ان هذه الآیة مجملة فی ایجاب القطع علی السارق وبیان

علمائے شیعہ نے کہا کہ چور کا ہاتھ کاٹنے میں آیت مجمل ہے اسکی تفصیل سنت سے ماخوذ ہے۔

ذلك ماخوذ من السنة۔

قطع ید کی مثالیں:۔

(۱) تاریخ سے ثابت ہے کہ قطع ید کا طریقہ حضورؐ کی بعثت سے قبل رائج تھا۔ اسلام نے اس کو برقرار رکھا۔

واول من حکم بقطعه فی الجاهلیة الولید بن المغیرة فامر الله بقطعه فی الاسلام فکان اول سارق قطعه رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الاسلام من الرجال الخیار بن عدی بن نوفل بن عبد مناف ومن النساء مرة بنت سفیان بن عبد الاسد من بنی مخزوم وقطع ابو بکر الیمنی الذی سرق العقد وقطع عمر ید ابن سمرة اخی عبد الرحمان بن سمرة۔

زمانۂ جاہلیت میں جس نے سب سے پہلے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا وہ ولید بن مغیرہ تھا اسلام میں اللہ تعالےٰ نے قطع ید کا حکم فرمایا اسلام میں سب سے پہلے نبی کریمؐ نے مردوں میں سے خیار بن عدی کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا اور عورتوں میں مرہ بنت سفیان کا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ہار چرانے والے چور کا دایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا۔ اور حضرت عمرؓ نے ابن سمرہ کا ہاتھ کاٹا تھا۔

(تفسیر قرطبی)

(۲) سنن الکبریٰ بیہقی ۸ : ۲۷۱ کتاب السرقہ۔

عن رجاء بن حیوة عن عدی ان النبی صلی الله علیه وسلم قطع ید سارق من المفصل

رجاء، عدی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے چور کا ہاتھ جوڑ سے کاٹا۔

(۱) عن ابن جریج عن ابی الزبیر

(۱) جابر سے بھی اسی طرح کی روایت ہے۔

عن جابر مثله يعنى قطع يد السارق من المفصل -

(iii) عن عبد الله بن عمرو قال كان عمر بن الخطاب يقطع السارق من المفصل -

(iii) عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ حضرت عمر بھی چور کا ہاتھ جوڑ سے کاٹا کرتے تھے -

(iv) عن سلمة عن حجيه بن عدى ان عليا قطع ايديهم من المفصل وحسمها فكانى انظر الى ايديهم

(iv) عدی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے چوروں کے ہاتھ مفصل سے کاٹے اور ڈم لگایا گویا میں ان کے ہاتھوں کو دیکھ رہا ہوں -

(۳) عن مغيرة عن الشعبى ان عليا كان يقطع الرجل ويدع العقب يعتمد عليها فكان عليا يفرق بين اليد والرجل فيقطع اليد من المفصل ويقطع الرجل من شطر القدم ونحن نقول بقول غيره من الصحابة فى التسوية بينهما وهو قول الكافة

مغیرہ شعبی سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ پاؤں کاٹتے تو اس کا عقب چھوڑ دیتے تھے کہ وہ ایڑی ٹیک سکے - گویا حضرت علی ہاتھ اور پاؤں کاٹنے میں فرق کرتے، ہاتھ تو جوڑ سے کاٹتے اور پاؤں میں ایڑی چھوڑ دیتے اور ہمارا فتویٰ دوسرے تمام صحابہ کے اتفاق عمل پر ہے یہی تمام دنیا کے علماء کا اجماعی فتویٰ ہے -

اگر یہ قول صحیح ہے تو حضرت علی کا عمل چونکہ فعل رسول کے خلاف ہے لہذا یقیناً ترک کیا جائے -

(۴) بخاری مع فتح الباری کتاب الحدود ۱۲ : ۷۹

وقطع على من الكف ووقع فى بعض النسخ البخارى وقطع على الكف بدون

…س۔

(۵) مغنی ابن قدامہ ۸ ، ۲۵۹

لاخلاف بین اهل العلم ان السارق اول ما یقطع منه یده الیمنی من مفصل الکف وهو الکوع وقد روی عن ابی بکر الصدیق وعمر رضی الله عنهما انهما قالا اذا سرق السارق فاقطعوا یمینه من الکوع ولا مخالف لهما من الصحابة ولان البطش بها اقوی فکانت البدایة بها اردع ولانها آلة السرقة فناسب عقوبته باعدام آلتها وهو قول جماعة فقهاء الامصار من اهل الفقه والاثر من الصحابة والتابعین ومن بعدهم وهو قول ابی بکر وعمر رضی الله عنهما۔

علماء میں چور کا پہلے دایاں ہاتھ جوڑ سے کاٹنے میں کوئی اختلاف نہیں جوڑ وہی ہے جسے کوع کہتے ہیں، صدیق رضؓ و فاروق رضؓ سے روایت آئی ہے کہ فرمایا جب چور چوری کرے تو اس کا دایاں ہاتھ مفصل دگٹی سے کاٹا جائے کوئی صحابی اس سے اختلاف نہیں رکھتا تھا۔ چیز چرانے میں ہاتھ کی قوت اور گرفت کام کرتی ہے، یہ چوری کا آلہ ہے لہٰذا یہی مناسب ہے کہ ہاتھ کو کاٹ جائے کہ اس کے پاس چوری کا آلہ نہ رہے۔ تمام فقہا کا اور صحابہ کا یہی فتویٰ ہے۔ پھر تابعین اور تبع تابعین کا بھی یہی قول ہے اور یہی قول ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کا بھی ہے۔

(۶) بخاری مع فتح الباری کتاب الحدود۔

وقطع علیؓ من الکف ووقع فی بعض النسخ البخاری وقطع علی الکف بدون کلمة "من"

اور حضرت علیؓ نے چور کا ہاتھ کاٹا کف سے اور بعض نسخوں میں ہے کف پر اس میں "من" کا کلمہ نہیں ہے۔

لفظ 'علی' یا 'من' سے کوئی فرق نہیں پڑتا، چونکہ 'ید' کا لفظ انگلیوں کے

پوروں سے لے کر بغل تک کے لئے بولا جاتا ہے اور مرفق یعنی کہنی تک بھی بولا جاتا ہے اگر "من" مذکور ہوا تو معنی یہ ہونگے کہ اس ہاتھ سے کاٹا جائے جو انگلیوں سے بغل تک ہے تو مراد اس مفصل تک کاٹنا ہوگا جسے رسغ کہتے ہیں۔

لفظ "من" حذف ہو تو ظاہر ہے کہ حضرت علی نے مفصل رسغ سے کاٹنا ثابت ہے۔ بعد صدیق و فاروق کا بھی یہی فعل ہے اور تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہے اور تمام صحابہ میں حضرت علی بھی شامل ہیں۔ لہذا حضرت علی بھی فعل رسول ص کے مخالف نہیں ہو سکتے۔ اس پر پوری امت کا اجماع ہے۔ جہاں کہیں بھی اسلامی فقہ رائج رہی اسی پر عمل ہوتا رہا۔ چنانچہ

البدایہ والصنائع ۲ ۸۸ - پر بیان ہوا ہے۔

(۱) اما الموضع الذی یقطع من الید الیمنیٰ فهو مفصل الزند عند عامة العلماء۔

بہر حال دایاں ہاتھ کاٹنے کی جگہ مفصل زند ہے۔

(۲) والصحیح قولنا لما روی انه صلی الله علیه وسلم قطع ید السارق من مفصل الزند وکان فعله صلی الله علیه وسلم بیاناً للمراد من الآیة الشریفة کانه نص سبحانه وتعالیٰ فاقطعوا ایدیهما من مفصل الزند وعلیه عمل الامة من لدن رسول الله صلی الله صلی الله علیه وسلم الی یومنا هذا

اہل السنت کا قول اس بنا پر صحیح ہے کہ حضور ص نے چور کا ہاتھ مفصل زند سے کاٹا۔ اور حضور ص کا یہ فعل آیت کے مراد کا بیان ہے گویا اللہ تعالیٰ نے نص فرما دی کہ چور کا ہاتھ مفصل زند سے کاٹو۔ اور حضور ص کے عہد سے لیکر اب تک اسی پر عمل ہے۔

(۲) پھر تبیین الحقائق ۲۲۴

ولنا ماروی انہ صلی اللہ علیہ و سلم امر بقطع ید السارق من الرسغ

ہمارے حق میں روایت بھی موجود ہے۔ کہ حضورؐ نے چور کا ہاتھ رسغ سے کاٹنے کا حکم دیا تھا۔

ولان کل من قطع من الائمۃ من الرسغ فصار اجماعا فعلا فلا یجوز خلافہ۔

اور تمام حکام وقت رسغ سے ہی ہاتھ کاٹتے رہے ہیں ان کا یہ فعل فعلی اجماع ہے جسکی مخالفت جائز نہیں۔

(۳) فتح الباری ۱۲ : ۸۰

وجاء عن علیؓ انہ قطع الید من الاصابع والرجل من مشط القدم اخرجہ عبد الرزاق عن معمر عن قتادہ وھو منقطع......

حضرت علی سے مذکور ہے کہ انہوں نے ہاتھ کی انگلیاں کاٹی تھیں اور پاؤں ایڑی چھوڑ کر۔ یہ روایت مقطوع السند ہے۔

ورد بانہ لا یسمی مقطوع الید لغۃ ولا عرفا بل مقطوع الاصابع

پھر یہ قول اس بناء پر رد کیا گیا ہے کہ ایسے شخص کو لغت یا عرف کے لحاظ سے مقطوع الاصابع کہتے ہیں۔

(۴) فتح الباری ۱۲ : ۸۰

واما الاثر عن علیؓ فوصلہ الدار قطنی من طریق حجیۃ بن عدی ان علیاؓ قطع من المفصل واخرج ابن ابی شیبۃ من مرسل رجاء بن حیوۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قطع من المفصل واوردہ ابو الشیخ

اور حضرت علیؓ کا فعل جسے دار قطنی نے بیان کیا ہے کہ آپ نے چور کا ہاتھ مفصل زند سے کاٹا اور ابن ابی شیبہ نے رجاء بن حیات سے بیان کیا کہ نبی کریمؐ نے چور کا ہاتھ مفصل سے کاٹا تھا اسی طرح وکیع سفیان سے وابی الزبیر وہ جابر سے بیان کرتا ہے کہ

فی کتاب حد السرقۃ من وجہ
آخر عن رجاء عن علی دفعہ
مثلہ ومن طریق وکیع عن سفیان
عن ابی الزبیر عن جابر دفعہ مثلہ
قال کان عمر یقطع من مفصل

حضورؐ نے چور کا ہاتھ مفصل سے کاٹا تھا۔

معلوم ہوا کہ حضرت علی سے جو روایت انگلیاں کاٹنے کی ہے وہ منقطع ہے لہذا حضرت علی سے انگلیاں کاٹنا ثابت نہیں۔

(۲) سنن الکبری کی جو روایت گذر چکی ہے اور فتح الباری کی یہ روایت ثابت کرتی ہے کہ حضرت علی نے مفصل سے ہاتھ کاٹا۔

(۳) لغت اور عرف میں اس شخص کو مقطوع الید نہیں کہتے جس کی انگلیاں کٹی ہوئی ہوں اور قرآن نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے۔

صرف انگلیوں کو ہاتھ وہی کہے جس کو لغت اور عرف سے بیر ہو اور نبی کریمؐ اور صحابہ کرام کی مخالفت پر ادھار کھائے بیٹھا ہو ورنہ بقائمی ہوش و حواس کوئی شخص صرف انگلیوں کو ہاتھ نہیں کہتا۔

(۵) فروع کافی کتاب الحدود ۷ : ۲۲۲

عن الجلبی عن ابی عبداللہ علیہ السلام
قال قلت لہ من این یجب القطع
فبسط اصابعہ وقال من ھھنا یعنی
من مفصل الکف۔

جلبی بیان کرتا ہے میں نے امام جعفر سے پوچھا ہاتھ کہاں سے کاٹنا واجب ہے آپ نے انگلیاں کھول کر ہاتھ پھیلایا فرمایا اس جگہ سے مراد ہاتھ کے جوڑ سے (اسی کو رسغ کہتے ہیں)

(۶) تہذیب الاحکام ۱۰ : ۱۰۲

عن حماد عن الجلبی عن ابی عبداللہ

"

قال قلت له من این یجب القطع

فسبط اصابعه وقال من ههنا

یعنی من مفصل الکف۔

مفصل یا جوڑ ہاتھ اور کلائی کے مقام اتصال کو کہتے ہیں، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ ید کا اطلاق عربوں میں سر انگشت سے لیکر بغل تک بھی ہوتا ہے اور کہنی تک بھی ہوتا ہے جیسا کہ آیت وضو سے ظاہر ہے، اور کبھی سر انگشت سے زند تک بولا جاتا ہے۔ زند تک ہونا قطعی اور یقینی ہے اس پر سب کا اتفاق ہے ہاں خوارج نے اس سے اختلاف کیا اور بغل سے کاٹنا مراد لیا۔ انگلیوں کو ہاتھ کوئی نہیں کہتا نیز انگشت کا مفصل جدا ہے۔

اگر فروع کافی اور تہذیب کی روایت میں مفصل انگشت کا مراد ہوتا تو لفظ ہوتا یعنی تقطع من مفاصل الاصابع کیونکہ انگلیوں کے مفاصل جدا جدا ہیں۔ لہذا اس روایت سے بھی حضرت علیؓ کا فعل وہی ہے جو رسول اللہ کا فعل ہے صدیق اکبرؓ کا عمر فاروقؓ کا ہے اور تمام صحابہ کا اس پر اجماع ہے اور اسلامی ممالک میں جہاں کہیں فقہ اسلامی کا نفاذ ہوا مفصل زند سے ہی ہاتھ کاٹا گیا۔ انگلیاں کاٹنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

اگر حضرت علیؓ سے اس منقطع روایت کو قبول کر لیا جائے تو عقل و نقل و لغت و عرف ہر ایک کی مخالفت لازم آئیگی۔

(۱) حضرت علی کا قرآن کی مخالفت کرنا لازم آئے گا قرآن نے فاقطعوا ایدیهما کہا ہے فاقطعوا اصابعهما نہیں کہا، پھر اصابع مراد نہ لینے کا قرینہ جزاءً بما کسبا، موجود ہے۔ لفظ کسب نے اس احتمال کو رد کر دیا جو جعفریہ نے پیدا کیا۔

(۲) لغت عرب کے خلاف ہے۔

(۳) عرف کے خلاف ہے، لغت و عرف میں اس کو مقطوع الید نہیں کہتے جس کی انگلیاں کٹی ہوتی ہوں بلکہ اسے مقطوع الاصابع کہتے ہیں۔

(۴) فرمان رسولؐ اور فعل رسولؐ کی مخالفت ہے۔

(۵) خلفائے راشدین کے عمل کے خلاف ہے، جمہور علمائے اسلام کے مخالف ہے خالق اور مخلوق دونوں کی مخالفت حضرت علی رضؓ سے ثابت کرنا فقہ جعفریہ کی سینہ زوری کے سوا کسی طرح ممکن نہیں۔

قطع اصابع کے حق میں شیعہ دلائل کا جائزہ

(۱) فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتَابَ بِاَیْدِیْهِمْ۔ اس آیت سے شیعہ حضرات استدلال کرتے ہیں کہ بایدیھم سے مراد انگلیاں ہیں۔ ہاتھ نہیں۔ کیونکہ لکھنا انگلیوں کا کام ہے ہاتھ کا نہیں۔ لکھنے کے عمل کو سامنے رکھ کر اس استدلال کو پرکھا جائے تو حقیقت سامنے آجاتی ہے یعنی

(۱) لکھنے کے لیے سب سے پہلے چھنگلی (LITTLE FINGER) اور اس طرف ہاتھ کا حصہ اس چیز پر ٹیکا جاتا ہے جس پر کچھ لکھنا مطلوب ہو۔

(۲) بنصر یعنی (RING FINGER) کو چھنگلی پر ٹیکا جاتا ہے۔

(۳) درمیانی انگلی (MIDDLE FINGER) اور شہادت کی انگلی (FORE FINGER) کے درمیان قلم رکھا جاتا ہے۔

(۴) اب انگوٹھے کو ملا کر ان تینوں سے قلم کی گرفت ہوتی ہے۔ یوں لکھنے کا عمل وجود میں آتا ہے۔

انگوٹھے کو علیحدہ رکھ کے ہاتھ کو ٹیکے بغیر صرف چار انگلیوں کی مدد سے لکھنے کی کوشش کی جائے تو (ABSTRAEF ART) کے بغیر کوئی اور نتیجہ نہ نکل سکے گا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ لکھنا صرف چار انگلیوں کا کام نہیں بلکہ پورے ہاتھ کا کام ہے۔

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نمازی جب سجدہ کرتا ہے تو سات اعضا پر کرے" جب پورا ہاتھ کاٹ دیا تو سجدہ چھ اعضاء پر ہوگا اگر چار انگلیاں کاٹی گئیں تو سجدہ راحہ پر کرے گا تو سات اعضا ہو جائیں گے۔

چلئے یہ فرض کر لیجئے کہ سجدہ کے وقت ایک عضو کی کمی ہو گئی تو نماز ناقص ہو گی یا باطل ہو گی۔ مگر یہ تو دور کی بات ہے نماز کے لئے تو وضو شرط ہے اگر چار انگلیاں کٹ گئیں تو ایک فرض رہ گیا لہذا وضو ہی نہ ہوا جب وضو نہ ہوا تو نماز کا موقع ہی نہ آئے گا۔ پھر سجدہ کی فکر کرنیکی کیا ضرورت۔ اگر یہ کہا جائے کہ فقدان اعضا سے وضو ساقط ہے۔ تو فقدان اعضاء سے سجدہ میں اس عضو کا نہ رکھنا کیوں ساقط نہ ہو۔ لہذا نماز اور سجدہ سے پہلے وضو کی فکر کرو۔ اور وضو قائم رکھنا ضروری ہے لہذا انگلیاں کاٹنا بھی موقوف کر دیا جائے گا۔

ایک اور صورت بھی قابل غور ہے مثلاً ایک آدمی نے کسی سے جھگڑا کیا اس دوران کسی تیز آلہ سے اس کا بازو کاٹ دیا اب قصاص میں اس کا بازو کاٹا جائے گا۔ اب وہ سجدہ میں ساتواں عضو کہاں سے لائے گا۔ اگر نہیں تو وضو بھی معاف نماز بھی معاف

جعفریہ کے شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی نے ایک ایسی صورت کا ذکر کیا ہے۔

تہذیب الاحکام ۱۰ : ۱۰۸

فلو ان رجلا قطعت یدہ الیمنی فی قصاص ثم قطع ید رجل الیقتص منہ ام لا فقال انما یترک فی حق اللہ تعالیٰ عزوجل فاما فی حقوق الناس فیقتص منہ فی الاربع جمیعا

اگر کسی آدمی کا ہاتھ قصاص میں کاٹا گیا پھر اس نے کسی آدمی کا ہاتھ کاٹ دیا تو کیا قصاص میں اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں فرمایا حقوق اللہ میں تو نہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ معاف ہو سکتے ہیں مگر حقوق العباد میں کاٹا

جائے گا۔

لیجئے اب کیا بنے گا یہ تو چھ کی جگہ بھی پانچ عضو رہ گئے۔ سجدہ نہ کر سکے گا

(۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ تہذیب الاحکام ۱۰ : ۱۲۵ پر روایت ہے کہ حضرت علی کے پاس چوروں کا ایک گروہ لایا گیا تو

فقطع ایدیھم من نصف الکف وترک الابھام۔	تو حضرت علی نے نصف ہتھیلی سے ان کے ہاتھ کاٹ دیئے اور انگوٹھا چھوڑ دیا۔

اب تو بات بظاہر بنتی نظر آتی ہے مگر آگے جا کے کچھ پیچ پڑ گئے ہیں مثلاً اس روایت کا پہلا راوی سہل بن زیاد ہے، دوسرا راوی محمد بن سلیمان دیلمی ہے تیسرا راوی محمد بن مسلم ہے۔

محمد بن مسلم کے متعلق رجال کسی ص ۱۱۳ سے روایت گزر چکی ہے کہ امام جعفر نے فرمایا کہ محمد بن مسلم پر خدا کی لعنت وہ کہتا ہے کہ کسی چیز کے موجود ہونے سے پہلے خدا اسے نہیں جانتا"

لیجئے دو باتیں ہوگئیں یہ ذات شریف اللہ کو جاہل مانتے تھے لہذا کافر ہوگئے پھر امام جعفرؒ نے انہیں کفر کے علاوہ ایک اور لقب دیا کہ وہ ملعون ہے سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالےٰ کے متعلق اتنی جرات کر سکتا ہے اسے حضرت علیؓ پر اتہام لگانے سے کون سی قوت روک سکتی ہے۔

دوسرا راوی سہل بن زیاد ہے اسکی کنیت ابو سعید ہے۔ اس کے متعلق شیعہ کتاب رجال مامقانی میں لکھا ہے

کان ضعیفا جدا فاسد الروایۃ والدین۔	اسکی روایت نہایت ضعیف ہے۔ بلکہ اسکی روایت بھی فاسد اور اس کا مذہب بھی فاسد۔

پھر فرمایا کہ اس کو شیعہ عالم محمد بن یحیی نے شہر قم سے جلا وطن کر دیا تھا اور

کہا تھا کہ

ونہی الناس عن السماع منه والروایة عنه یروی المراسیل ویعتمد المجاهیل۔	لوگوں کو اس سے حدیث سننے سے منع کر دیا کہ یہ مرسل احادیث بیان کرتا ہے۔ اور مجہول حدیثوں پر اعتماد کرتا ہے۔

اور ابو محمد الفضل شیعہ عالم اور علی بن محمد کہتے تھے کہ یہ احمق ہے۔

تیسرا راوی محمد بن سلیمان دیلمی ہے۔ اس کے متعلق رجال مامقانی میں ہے

یرمی بالغلو واقول ان مقتضی نقل دمیه ضعفه۔	اس کا غالی شیعہ ہونا اس کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے۔

(۴) چوتھی دلیل یہ ہے کہ قطع اصابع ائمہ سے منقول ہے۔

مگر یہ دلیل کئی لحاظ سے بودی ہے۔

اوّل :۔ آئمہ نے قول رسول نقل نہیں کیا

دوم :۔ اسی کتاب میں بقول علامہ مجلسی "بیس شیعہ راویوں" کے حالات شیعہ کتب رجال سے پیش کئے جا چکے ہیں کہ آئمہ نے ان کو ملعون یہود سے بھی برے، قائلین تثلیث سے بدتر اور نہ جانے کیا کیا خطاب دیئے۔

باب الزکواۃ

زکواۃ کی فرضیت کتاب اللہ، سنت رسول سے ثابت ہے۔

۱) قال اللہ تعالیٰ واتوا الزکواۃ — زکواۃ ادا کرو۔ یعنی مطلق حکم ہے۔

۲) وفی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم — ان کے مالوں میں سے سائل اور محروم کے لئے حق معلوم ہے۔

۳) والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ الخ — جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔

اس آیت میں زکواۃ نہ دینے والوں کے لئے شدید وعید ہے۔

۴) خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا۔ — ان کے مالوں میں سے صدقہ لے اور اس وجہ سے انہیں پاک فرما۔

۵) یا ایھا الذین امنو انفقوا من طیبات ما کسبتم — اے ایمان والو جو پاک مال تم نے کمایا ہے اس میں سے راہِ خدا میں خرچ کرو۔

حدیث میں اسلام کے پانچ اجزاء بیان ہوئے ہیں۔ بنی الاسلام علی خمس الخ۔ جن میں سے ایک زکواۃ ہے۔ کسی ایک جزو کا انکار پورے اسلام کا انکار ہے کیونکہ انتفائے جزء مستلزم ہے انتفائے کل کو۔ لیکن فقہ جعفریہ میں زکواۃ کے لئے کچھ شرائط رکھی گئی ہیں۔

(۱) کرنسی نوٹ پر زکواۃ نہیں۔

(۲) سونے اور چاندی پر زکواۃ نہیں۔ ہاں اگر سونے اور چاندی کے سکے یعنی اشرفی اور روپیہ بنا کر اس پر سرکاری مہر لگے تو اس پر زکواۃ ہے۔

اس وقت پوری دنیا میں مال و دولت سے مراد یا تو کرنسی نوٹ ہوتے یا سونا چاندی۔ خواہ زیورات کی صورت میں ہو خواہ ویسے ٹھوس حالت میں سونا چاندی کے سکوں کا وجود دنیا میں کہیں نہیں ملتا۔ لہذا زکواۃ کا انکار نہ کرنے کے باوجود

زکوٰۃ ساقط ہو گئی۔

قرآن کریم کی جو آیات اوپر دی گئی ہیں ان کو سامنے رکھا جائے تو سوچنا پڑے گا کہ یہ شرائط جو فقہ جعفریہ میں رکھی گئی ہیں ان کے مطابق قرآن کی کسی آیت پر عمل ممکن بھی ہے۔

(۱) واٰتوا الزکوٰۃ۔ زکوٰۃ ادا کرو۔ مطلق حکم ہے۔

(۲) وفی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم۔ زکوٰۃ کو تھوڑی دیر ذہن سے الگ کر کے یہ سوچا جائے کہ کوئی سائل اور محتاج اگر مدد کی درخواست کرے تو اس کی مدد کیسے کی جاتی ہے، کیا یہ کہا جاتا ہے کہ کرنسی نوٹ تو مال نہیں، اور اشرفی روپیہ سونے چاندی کا کوئی سکہ نہیں۔ اس لئے نہ ہمارے پاس مال نہ اس میں تمہارا کوئی حق۔

(۳) تیسری آیت میں جمع کرنے اور خرچ نہ کرنے پر وعید ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جمع کیا کیا جاتا ہے؛ اور خرچ کیا کیا جاتا ہے؟ اگر کرنسی نوٹ اور سونا چاندی خواہ زیورات یا اینٹوں کی شکل میں ہوں وہی جمع بھی کیا جاتا ہے اور اسی کو خرچ بھی کیا جاتا ہے تو زکوٰۃ کے معاملے میں یہ اصول کیوں کارفرما نہیں رہا؟

(۴) چوتھی آیت میں جس مال کو پاک کرنے کا حکم ہے وہ مال کون سا ہے؟ اگر نوٹ مال نہیں تو جب نوٹوں اور زیور کی چوری ہو جاتی ہے تو یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ اتنے لاکھ کے زیور اور نقدی کا چوری ہو گئے؟

(۵) پانچویں آیت میں حکم ہے "اپنی کمائی سے خرچ کرو" سوال یہ ہے آپ کماتے کیا ہیں؟ دن بھر مزدوری کریں یا مہینہ بھر نوکری کریں تو آپکو مزدوری یا تنخواہ لازماً کرنسی نوٹوں کی شکل میں ملتی ہے، اور آپ یقیناً یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اتنا کمایا تو جو کچھ آپنے کمایا اس میں سے ہی زکوٰۃ دینے کا حکم ہے، اگر آپ تاجر ہیں آپ نے پانچ ہزار کا مال سات ہزار میں بیچا تو آپ یقیناً کہتے ہیں میں نے دو ہزار کمایا تو یہ دو ہزار مال ہی تو ہے اور یہ کرنسی نوٹ کی شکل میں ہے، گویا نوٹ ثمن نہیں۔ مگر

قائم مقام ثمن ہے بلکہ آج کل تو حقیقت ثمن بعینہ سمجھا جاتا ہے ۔عرف عام اصطلاح اور عادت یہی ہے ۔

مختصر یہ ہے کہ کرنسی نوٹ کو آپ مال بھی سمجھیں اور اسے زکواۃ سے مستثنیٰ بھی سمجھیں تو یہ مؤقف بڑے دوررس نتائج کا حامل ہے ، خدارا اس پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور اسلام کو جگ ہنسائی کا ذریعہ نہ بنائیں ، اگر اس اصول کو پھیلایا جائے تو انکم ٹیکس پراپرٹی ٹیکس کسٹم وغیرہ کسی چیز کا ادا کرنا ضروری نہیں جب کرنسی نوٹ اور زیور وغیرہ مال نہیں تو انکم ٹیکس وغیرہ کیوں ہوا ۔

عُشر

قرآن حکیم میں جہاں زکواۃ کا حکم ہے وہاں ساتھ ہی ارشاد ہے ۔

وما اخرجنا لکم من الارض اور جو کچھ ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ۔

اٰتوا حقہ یوم حصادہٖ کھیتی کاٹتے وقت اس کا حق ادا کرو ۔

عشر کے متعلق فقہی احکام کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا ، وہ تو اہل علم جانتے ہی ہیں لیکن فقہ جعفریہ میں صرف گندم جو ، اور کھجور منقی میں عشر ہے ، پھر ان کے لئے بھی نصاب شرط ہے جو ۸۴۷ کلو ہے حالانکہ قرآن کی آیت سے ظاہر ہے کہ مما اخرجنا لکم من الارض مطلق ہے اور واٰتوا حقہ یوم حصادہٖ بھی مطلق ہے ۔

ارباب دانش کے لئے غور کا مقام یہ ہے کہ یہ تخصیص اور یہ شرط کہیں زر اندوزی بخل اور سنگدلی کی طرف رہنمائی تو نہیں کرتیں ۔

پرائیویٹ لا

شخصی زندگی کو پاکیزہ اور پرکشش بنانے کیلئے فقہ جعفری کی تعلیمات

کتاب الطہارت

طہارت و نظافت انسان کا امتیازی وصف ہے۔ میل اور گندگی سے اسے طبعی نفرت ہوتی ہے۔ طہارت کا واحد ذریعہ پانی ہے۔ پانی بے شک دوسری چیزوں کو پاک و صاف کرتا ہے۔ مگر اس کام کے لئے خود اس کا طاہر ہونا ضروری ہے۔ اس لئے ہر فقہ کے مسائل کی ابتداء طہارت کے باب سے ہوتی ہے۔ فقہ جعفری میں پانی کے طاہر ہونے کا ایک معیار مقرر ہے۔

(۱) فروع کافی ۳: ۲ طبع طہران

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام اذا کان الماء فی الرکی "کرا" لم ینجسہ شیٔ۔ قلت کم الکر؟ قال ثلاثۃ اشبار و نصف عمقہا فی ثلاثۃ اشبار و نصف عرضہا۔

امام جعفرؑ سے روایت کہ کسی گڑھے میں پانی ایک "کر" ہو اسے کوئی شے نجس نہیں کر سکتی۔ عرض کیا کُر کی مقدار کیا ہے؟ فرمایا تین بالشت اور تین کا نصف گہرائی ہے اور نصف چوڑائی۔

(۲) من لا یحضرہ الفقیہ طبع طہران ۶ :۱

والکر ما یکون ثلاثۃ اشبار طولاً فی عرض ثلاثۃ اشبار فی عمق ثلاثۃ اشبار

"کر" وہ مقدار پانی کی ہے جس کی لمبائی چوڑائی اور گہرائی ہر ایک تین بالشت ہو۔

من المطر يكون الى جانب القرية فيكون فيه عذرة ويبول فيه الصبيان وتبول الدابة وتروث فقال ان عرض فى قلبك منه شئ فقل هكذا يعنى اخرج الماء بيدك ثم توضأ فان الدين يسر

چھوٹا سا جوہڑ پاتے ہیں۔ جس میں بارش کا پانی ہوتا ہے اس میں پاخانہ بھی ہوتا ہے۔ بچے اس میں پیشاب بھی کرتے ہیں۔ جانور پیشاب اور گوبر کرتے ہیں تو فرمایا اگر تیرے دل میں خلش ہو۔ تو ہاتھ سے پانی نکال اور وضو کر لے۔ دین میں تو آسانی ہے۔

(۲) تهذيب الاحكام ۱: ۲۴۱

عن زرارة قال قلت لابى عبد الله السلام بئر قطر فيها قطرة دم او خمر قال والخمر والميتة و لحم الخنزير فى ذالك كله واحد ينزع منه عشرون دلوا۔

زرارہ کہتا ہے میں نے امام جعفر سے پوچھا جس کوئیں میں حرام خون یا شراب پڑ جائے اس کا کیا حکم ہے۔ فرمایا خون، شراب، مردار اور خنزیر کے گوشت سب کا ایک ہی حکم ہے کہ اس کوئیں سے ۲۰ ڈول پانی نکال دیا جائے۔

ان دو اقتباسات میں قدر مشترک یہ ہے پانی کثیر یعنی ایک "کر" ہو تو اس میں پاخانہ، پیشاب انسانی، جانوروں کا پیشاب گوبر، کچھ بھی ہو ایک ٹوکرے کی مقدار ہو تو وہ پانی ناپاک نہیں ہو سکتا اور سا تواں مسئلہ یہ ہے کہ مردار اور سؤر وغیرہ کا گوشت کوئیں میں گر جائے تو ۲۰ ڈول پانی نکال دو کنواں پاک ہو جائے گا۔

(۳) من لا يحضره الفقيه ۱: ۹

وسئل الصادق عليه السلام

امام جعفر سے پوچھا گیا کہ خنزیر کے چمڑے کا

عن حبل الخنزیر یجعل دلوًا یستسقی بہ الماء فقال لا بأس بہ ...... ولا بأس بان یستسقی الماء بحبل اتخذ من شعر الخنزیر۔

ڈول بنا کر اس سے کوئیں سے پانی نکالا جائے تو اس کا کیا حکم ہے فرمایا کوئی حرج نہیں .... اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ کہ خنزیر کے بالوں کی رسی بنا کر اس کے ذریعے کوئیں سے پانی نکالا جائے۔

کتاب الوضوء

عبادت کے معاملے میں طہارت کی بنیادی غرض وضوء کرنا ہے اور وضوء اتنا ضروری ہے کہ اگر پانی نہ ملے تو اس کا قائم مقام تیمم رکھا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ہدایات یہ ہیں:۔

(۱) من لا یحضرہ الفقیہ ۱: ۸

ولا یجوز الوضوء بسؤر الیھودی والنصرانی وولد الزنا والمشرک وکل من خالف الاسلام واشد ذالک سؤر الناصب

یہودی، نصرانی، ولد الزنا، مشرک اور ہر مخالف اسلام آدمی کے جھوٹے پانی سے وضوء جائز نہیں۔ اور ان سب سے زیادہ پلید سُنّی کا جھوٹا پانی ہے۔

(۲) فروع کافی ۳: ۲۰

اذا بلت وتمسحت فامسح ذکرک بریقک فان وجدت شیئاً فقل

جب تو نے پیشاب کیا اور عضو مخصوص کو جھاڑ دیا تو استنجا کرنے کے لئے اپنا لعاب دہن استعمال کر۔ اگر اس عمل کے بعد تجھے پیشاب کے قطروں کا احساس ہو

هٰذا من ذاک

تو کہہ دو کہ یہ اس وجہ سے ہے۔

اس کا طریقہ قدرتی طور پر یہی ہو سکتا ہے کہ ہاتھ سے لعاب دہن لے کر پیشاب گاہ پر لگا دے۔

(۳) استبصار ۲۶؍۱

عن ابی عبد الله علیه السلام فی الرجل یبول قال ینتهر ثلاثا ثم ان سال حتیٰ یبلغ الساق فلا یبال

امام جعفر سے ایسے آدمی کے متعلق پوچھا گیا جو پیشاب کرے فرمایا تین بار عضو کو جھٹکا دے پھر اگر پیشاب بہنے لگے حتیٰ کہ پنڈلی تک چلا جائے تو پروا نہ کرے (طہارت میں فرق نہیں آئے گا)۔

(۴) استبصار ۲۶؍۱

سألته کم یجزی من الماء فی الاستنجاء من البول قال مثلا ما علی الحشفة۔

راوی کہتا ہے میں نے امام جعفر سے پوچھا پیشاب کے بعد استنجا کے لئے کتنا پانی درکار ہے فرمایا عضو پر جتنی تری ہے اتنا پانی کافی ہے۔

کتابُ الصّلوٰۃ،

نماز بہت بڑی عبادت ہے اس کے لئے یکسوئی خشوع خضوع بڑی ضروری چیزیں ہیں۔

(۱) استبصار ۱؛ ۵۴ طبع لکھنؤ۔

عن معاویه بن عمار

معاویہ بن عمار کہتا ہے میں نے امام جعفر سے

...ی سألت اباعبداللہ علیہ
...لام عن الرجل یعبث بذکرہ
...الصلوٰۃ قال لا باس بہ

پوچھا کہ اس آدمی کے متعلق کیا حکم ہے جو
نماز میں اپنے عضو مخصوص سے کھیلتا رہے۔
فرمایا کوئی حرج نہیں۔

(۲) فروع کافی ۳ : ۳۴۷

عن ابی جعفر علیہ السلام
...ی الرجل یحدث بعد ما یرفع رأسہ
...ن السجدۃ الاخیرۃ قبل ان
...تشہد قال ینصرف ویتوضا فان
...شاء رجع الی المسجد وان شاء
...فی بیتہ فان شاء حیث شاء
...یقعد فیتشہد ثم یسلم

امام باقر سے پوچھا گیا۔ ایک شخص آخری
رکعت میں آخری سجدہ کے بعد تشہد
سے پہلے بے وضو ہو گیا وہ کیا کرے۔
فرمایا جائے وضو کرے۔ پھر مسجد میں
آجائے یا گھر چلا جائے جہاں جی چاہے
چلا جائے وہاں بیٹھ کر تشہد پڑھ لے۔
پھر سلام پھیر دے نماز ہو گئی۔

(۳) فروع کافی ۳ : ۳۷۸

سألت اباعبداللہ عن
الرجل ام قوماً وھو علی غیر
طھر فاعلمھم بعد ما صلوا
فقال یعید ھو ولا یعیدون

میں نے امام جعفر سے پوچھا کہ ایک آدمی
نے لوگوں کو بے وضو نماز پڑھائی۔ نماز سے
فارغ ہو کر انہیں بتا دیا۔ امام نے فرمایا
امام تو نماز لوٹائے مگر مقتدیوں کی نماز ہو گئی۔

نماز کے بعد وظائف

(۱) فروع کافی ۳ : ۲۱۲
سمعنا اباعبداللہ علیہ السلام

حسین بن نوبہ اور ابو سلمہ نقل کرتے ہیں۔
ہم نے سنا کہ امام جعفر ہر فرض نماز کے بعد چار

وھو یلعن فی دبر کل مکتوبۃ اربعۃ من الرجال واربعۃ من النساء فلان وفلان وفلان ومعاویہ و یسمیھم وفلانۃ وفلانۃ وھند وام الحکم اخت معاویہ

مردوں اور چار عورتوں کے نام لے کران پر لعنت بھیجتے تھے فلاں فلاں فلاں (مراد اصحاب ثلاثہ ہی ہو سکتے ہیں) اور معاویہ اور فلانہ فلانہ اور ہند اور ام الحکم ہمشیرہ معاویہ

یعنی نماز کے بعد گالی دینے کی عبادت کرنے سے عبادت کو دو آتشہ بنا دیا۔

نماز جنازہ

(۱) لمعہ مشقیہ ۱:۱۲۱ از محمد جمال الدین مکی شیعہ شہید اول

غیر شیعہ کا جنازہ پڑھنے کا طریقہ:۔

والمنافق وھوھنا المخالف مطلقا یقتصر فی الصلوٰۃ علیہ علی اربعۃ تکبیرات ویلعنہ عقب الرابعہ

منافق سے مراد مذہب شیعہ کا ہر مخالف ہے اس کے جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد اس پر لعنت کی جائے۔

(۲) فروع کافی ۳:۱۸۹ جب سنی کا جنازہ پڑھے تو پانچویں تکبیر کی جگہ یہ پڑھے۔

اللھم العن فلانا عبدك الف لعنۃ مؤتلفۃ غیر مختلفۃ اللھم اخز عبدك فی عبادك وبلادك واصلہ حر نارك واذقہ شر عذابك

اے اللہ اپنے اس بندے پر ہزار لعنت کر وہ بھی یکمشت۔ اے اللہ اس بندے کو تمام بندوں اور ملکوں میں ذلیل کر اسے بھڑکتی آگ میں داخل کر اور اسے اپنا شدید ترین عذاب چکھا۔

یا یہ دعا پڑھے۔

اللھم ان فلانا لا نعلم عنہ الا انہ عدوک ولرسولک اللھم فاحش قبرہ نارا واحش جوفہ نارا وعجل بہ الی النار فانہ کان یتولی اعدائک

اے اللہ اس سنی کے متعلق ہم زیادہ تو نہیں جانتے اتنا جانتے ہیں کہ تیرا اور تیرے رسول کا دشمن ہے اس کی قبر کو اس کے پیٹ کو آگ سے بھر دے اور اسے جلدی آگ میں داخل کر کیونکہ یہ تیرے دشمنوں کو دوست رکھتا تھا۔

غسل میت کی وجہ

من لا یحضرہ الفقیہ ۱؍۸۴ سئل الصادق علیہ السلام لای علۃ یغسل المیت قال تخرج منہ النطفۃ التی خلق منہا تخرج من عینیہ او من فیہ

امام جعفر سے پوچھا گیا میت کو غسل دینے کی علت کیا ہے فرمایا میت سے منی کا وہ نطفہ نکلتا ہے جس سے وہ پیدا ہوا۔ اس کی آنکھوں یا اس کے منہ سے نکلتا ہے۔

کتاب الاطعمہ (حلال و حرام کے متعلق مسائل)

(۱) فروع کافی ۲؍۲۴۶

سالا عن اکل لحوم الحمر الاھلیہ قال نھی رسول اللہؐ عنھا وعن اکلھا یوم خیبر

محمد بن مسلم اور زرارہ نے امام جعفر سے پالتو گدھے کا گوشت کھانے کے متعلق پوچھا تو امام نے فرمایا کہ حضورؐ نے صرف خیبر کے دن گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا تھا۔

نواں اعتراض جو معترض نے کیا ہے۔ کہ ہمارے شیعوں کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے بہت سے مردوں کا ایک عورت سے ایک رات میں متعہ کرنا جائز کہا ہے۔ خواہ اس عورت کو حیض آتا ہو یا نہ آتا ہو۔ تو اس سلسلے میں معترض نے بعض قیود میں (جو شیعہ متعہ دوریہ میں لگاتے ہیں) خیانت کی ہے۔ ہمارے اصحاب شیعہ نے متعہ دوریہ اس عورت کے ساتھ محقق کیا ہے جسے حیض نہ آتا ہو۔ یہ عمل عام نہیں ہے۔ کہ ہر عورت کے ساتھ کیا جاتے یا وہ آئسہ ہو یا غیر آئسہ۔

(تحذیر المسلمین ص۳۰۲ بحوالہ مصائب النواصب)

واما ما شنعه فلان ما نسبه الى اصحابنا من انهم جوزوا ان يمتع الرجال المتعددون ليلة واحدة من امراة سواء كانت من ذوات الاقراء اولا۔ فهو خان في بعض قيودها وذالك لان الاصحاب قد خصصوا ذالك بالآئسة لا بما يعم بالآئسة وغيرها من ذوات الاقراء۔

علامہ صاحب نے خاص قیود کا ذکر کر کے اعتراض کا یہ حصہ تو رفع کر دیا۔ کہ غیر آئسہ کے ساتھ متعہ دوریہ جائز نہیں مگر اس حصہ کا اعتراف کہ متعہ دوریہ آئسہ کے ساتھ جائز ہے مگر ملا باقر مجلسی کی مراۃ العقول جو حوالہ ابھی گزر چکا ہے اس میں امام نے فرمایا کہ متعہ دوریہ میں میراث نہ ہوگی تو آئسہ سے کب اولاد کی توقع ہو سکتی ہے کہ میراث کا سوال پیدا ہو۔ لہٰذا امام کا فتویٰ یہ ہے کہ متعہ دوریہ ہر عورت کے ساتھ قیامت تک جائز ہے اور ایک عورت ایک ہی رات میں خواہ سات مردوں سے متعہ کرے خواہ بیس سے کرے۔ ظاہر ہے کہ مردوں کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی عورت کے ثواب میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

"نفاذ شریعت" کے چند قارئین کے تاثرات

۱۔ مؤتمر العالم الاسلامی کراچی

آپ کی کتاب عام مسلمانوں کے لئے جو امامیہ روایات سے واقف نہیں ہیں۔ ایک معلومات آفریں اور انتہائی مفید و کار آمد کتاب ہے۔ جزاک اللہ خیرا۔

۲۔ انجمن محبان صحابہ ڈیرہ اسماعیل خاں

دوستوں کو کتاب پڑھنے کو دی گئی۔ تمام دوست آپ کی اس کاوش پر ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس کوشش کو منظور فرمائے آمین۔ اور آپ جیسے دیگر وکلاء کو سنی مذہب اور سنی عقائد پر قلم اٹھانے کی سعادت بخشے۔

نوٹ:۔ ابھی جنرل سیکرٹری صاحب آپ کی خدمت میں یہ درخواست کر رہے ہیں کہ آپ کی کتاب کا آخری باب "تاریخ فقہ جعفریہ" چھپوانے کا ارادہ ہے اگر آپ اجازت فرمادیں۔

۳۔ حکیم فیض عالم صدیقی خطیب جہلم

آج کسی دوست سے آپ کی تالیف نفاذ شریعت کا ایک نسخہ ملا۔ ایک ہی نشست میں کتاب ختم کردی۔ چودھری صاحب! اس قحط الرجال میں آپ نے یہ بہت بڑا جہادی کارنامہ سرانجام دیا ہے الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ قانون دان اصحاب میں سے اللہ تعالیٰ

نے اس شرف وحجد کا سہرا آپ کے سر پر رکھا۔ رہا نفس کتاب کا مسئلہ تو میرے پاس

اس کی تعریف میں کچھ کہنے کے لیے ایک لفظ بھی نہیں۔

۴ - ایضاً:-

" نفاذ شریعت کے نقش اول پر مبارکباد کا مکتوب ارسال کیا تھا۔

اب " نفاذ شریعت " صرف پاکستان میں نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر ایک سند

کا مقام حاصل کر چکی ہے۔

میں یہ کہتے ہوئے ایک قسم کا فخر محسوس کرتا ہوں کہ " نفاذ شریعت " وقت کی اہم

ضرورت ہی نہیں بلکہ دینی لٹریچر کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ جس ترتیب سے اس تالیف

کی تدوین کی گئی ہے۔ عوام بھی اس سے کما حقہٗ مستفید ہو سکتے ہیں " نفاذ شریعت "

کا ہر قانون دان کے ہاتھ میں ہونا اشد ضروری ہے۔ بلکہ میں کہوں گا کہ مخیر حضرات اسے

لاکھوں کی تعداد میں طبع کرا کے ہر پڑھے لکھے آدمی کے ہاتھوں تک پہنچائیں اور میری اس

خواہش سے صاحب دل افراد اتفاق کریں گے کہ فوری طور پر عربی، فارسی اور انگریزی

میں اس کا ترجمہ کر کے تمام اسلامی ممالک میں اسے پہنچایا جائے۔

ملک صاحب! یقین کیجئے میں آپ کی اس تالیف کو اس موضوع پر دور حاضرہ کا

انسائیکلوپیڈیا کہنے میں بھی اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتا ہوں۔

۵۔ ڈاکٹر ریاض الرحمن راولپنڈی:-

آپ کے تالیف کردہ کتابچہ " نفاذ شریعت " کا ایک دوست کی وساطت سے فوٹو سٹیٹ

پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ماشاء اللہ آپ نے شیعہ فقہ کے بعض ضروری امور کو بہت خوبی

سے بے نقاب کیا ہے۔

میرے نزدیک آپ کا متذکرہ کتابچہ ایک کارنامہ سے کم نہیں ہے۔ انتہائی

مختصر اور مدلل تحریر ایسی شستہ اور دلپذیر کہ ختم کئے بغیر چھوڑنے کو جی نہ چاہے ایک غیر شیعہ کو عام طور پر فقہ جعفریہ کے ایسے مسائل سے واقفیت نہیں ہوتی۔ غیر شیعہ مسلمانوں کو فقہ جعفریہ کے اہم مسائل سے واقف کرنے کے لئے آپ کی کاوش قابل ستائش ہے۔ خدا تعالےٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

۶۔ مرکز محبّین صحابہ لاہور

ایک دوست کے ذریعہ آپ کی بے نظیر تالیف "نفاذ شریعت" ملی۔ دیکھ کر دل سے دعائیں نکلیں۔ حضرت استاد مکرم اور ان کے شاگردان رشید دین حق کی عظیم خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

۷۔ مولانا صدر الدین الرفاعی۔ راولپنڈی

آپ کی قابل قدر کتاب "نفاذ شریعت" پڑھ کر بہت مسرت ہوئی۔ آپ نے بروقت ضروری حقائق کا اظہار کرکے اسلام کے خلاف اٹھتے ہوئے فتنے سے "پاکستان کو بچانے کے لئے ایک مفید، معقول، مؤثر اور اختصار کے باوجود ایک جامع رسالہ قلمبند کرکے اپنا فریضہ ایمان ادا کیا ہے۔ شکر اللہ سعیکم الموفور۔

۸۔ چودھری لعل خاں صاحب جلال پور جٹاں

آپ کی تالیفی کتاب "نفاذ شریعت" اور فقہ جعفریہ خاکسار کی نظر سے گزری، بلا مبالغہ آپ کی یہ کاوش جہاد ہے۔ فقہ جعفریہ کا حدود اربعہ اور اس کی خرافات تو آپ نے خوب بیان کیں۔ چودھری صاحب! وقت کی ضرورت ہے کہ ناخواندہ امت مسلمہ کو اس فتنہ سے آگاہ کیا جائے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو توفیق دی ہے۔ تو میری گزارش

ہے کہ اس کتاب کو ملک میں عام کر کے گھر گھر پہنچایا جائے۔

۹۔ محمد عبدالعظیم برنی کراچی

ایک مہربان کے توسل سے آپ کی گراں قدر تالیف "نفاذ شریعت" کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ سبحان اللہ وقت کے اہم تقاضے پر مصروفیات کے باوجود آپ نے جس کاوش و محنت سے تاریخی حقائق کو بے نقاب کیا ہے وہ قابل تحسین اور لائق صد ستائش ہے۔

۱۰۔ کرنل ریٹائرڈ سید سلطان علی شاہ کوہاٹ

آپ کی کتاب "نفاذ شریعت" پڑھ کر شیعوں کے بارے میں کئی مشکلات حل ہوگئیں، کتاب کے مطالعہ سے پہلے یہ تو علم تھا کہ یہ گروہ بداخلاقی کا مجسمہ ہے لیکن کتابی صورت میں کوئی سند میسر نہ تھی اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ کہ آپ نے حق بات جو کہ مدتوں سے پوشیدہ تھی ظاہر کر دی۔

۱۱۔ شاہ مصباح الدین شکیل دستگیر کالونی کراچی

میں نے اپنے بھائی شاہ بلیغ الدین صاحب کے پاس آپ کا رسالہ "نفاذ شریعت" دیکھا جس جذبہ سے آپ نے فقہ جعفریہ کی حقیقت بیان کی ہے اسے پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔

۱۲۔ سعید احمد۔ احمد کنکریٹ پراڈکٹس ملتان

آپ کا تالیف کردہ کتابچہ "نفاذ شریعت" ایک دوست کی وساطت سے نظر سے گزرا۔ ماشاء اللہ بہت ہی عمدہ اور مدلل ہے۔ جزاک اللہ۔